ہین ہین جنھون نے انگریزی تعلیم کے بعد اپنی مادری زبان کے حق کو فراموش نہین کیا، انجمن ترقی اردو کی طرف سے "القمر" انکا ایک محققانہ رسالہ شایع ہو چکا ہے، النحل چھوٹی تقطیع پر ۱۱۹ صفحہ کا رسالہ لکھا ہے، جسمین شہد کی مکھیون کے حالات اور خصائص بہ تحقیق لکھے ہین، اس رسالہ کو پڑھکر صنعتِ الٰہی کے وہ عجیب اسرار جو دنیا کے ذرہ ذرہ مین پوشیدہ ہین انکا ایک حیرتناک تصور ہوتا ہے، طرز ادا سہل اور روان ہے، طبع و کاغذ اعلیٰ قیمت ۱۰/ مصنف سے چھپرہ ضلع سارن محلہ دھیاوان کے پتہ سے طلب کیجئے،

تعلیم و تربیت، مارچ ۱۹۱۶ء سے اس نام کا ایک ماہوار رسالہ لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے، رسالہ کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، اس قسم کے رسالون کی ملک کو یقیناً ضرورت ہے، لیکن معیار کی بلندی اس سے زیادہ ضروری شے ہے، قیمت سالانہ ۶/،

یادگار کرامت حسین، کسی شخص کے اصلی اور غیر مصنوعی حالات جاننے کا ذریعہ اسکی لائف نہین، اسکی شخصی ملاقات کے واردات اور تذکرے ہین، جنکو عربی و فارسی مین مجالس کہتے ہین، چودھری محمد علی صاحب ردولوی نے یادگار کرامت حسین لکھی، جسکو ہم مجالس کرامت حسین کہہ سکتے ہین، چودھری صاحب کا طرز تحریر خاص اسلوب رکھتا ہے، ایک فلسفی کی زندگی اور واقع الامر زندگی کا جو نقشہ انکے قلم نے ذاتی واردات و مشاہدات کے رنگ سے کھینچا ہے وہ نہایت دلکش اور موثر ہے، ابتدا مین جناب راجہ صاحب محمود آباد کا مقدمہ تعارف ہے، چودھری صاحب سے رودلی کے پتہ سے بلا قیمت رسالہ ملیگا،

مجلد دوم	ماہ شوال ۱۳۳۵ھ مطابق اگست ۱۹۱۷ء	عدد دوم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ایک مسلمان تاجر کتب کا فعلِ ملعون

کلام مجید کا منظوم اُردو ترجمہ

قرآن مجید نے یہودیون کا وصف یہ بتایا ہے کہ وہ کلام الٰہی کو بیچکر مال و دولت خریدتے ہین، ہندوستان مین مسلمان کتب فروشون نے گو معنوی خرید و فروخت کا ارتکاب نہین کیا، لیکن لفظی بیع و شرا کا بازار یہان ایک مدت سے گرم ہے، کوئی خوردبین قرآن بیچتا ہے کوئی اعجاز تحریر کا دعوی کرتا ہے، کوئی ترجمہ اور حواشی کا حوالہ دیتا ہے، اخبارات مین عام اشتہارون کی صف مین اسکے نمونے شایع کراتا ہے، ایک علامۂ وقت فاضل قرآن مجید کا معری ترجمہ بلا متن عربی شایع کرتے ہین،

سب سے آخری اور بدترین صورت علی گڈھ کے ایک مطبع نے اختیار کی ہے اور وہ قرآن کا منظوم ترجمہ ہے، تمام اہل مذاہب کا مقصد تو یہ ہی کہ وہ اپنے اپنے کلام الٰہی کو زیادہ صاف زیادہ واضح اور زیادہ آسان صورت مین دنیا کے سامنے پیش کرین، لیکن وہ کیسا بدبخت ہے جو کتاب مبین کو مشکل، غیر مفہوم اور مغلق بناکر چیستان بنانا چاہتا ہے،

اول تو یہ مسئلہ بجاے خود مختلف فیہ کہ قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان مین جائز ہے یا نہین، ہندوستان مین چونکہ اس کام کو اُس مقدس خاندان کے ارکان کرام نے شروع کیا

جنکا ہر عمل مسلمانان ہند کے لئے سند تھا، اسلیئے عام طور سے اردو مین قرآن مجید کے تراجم کا مسئلہ پہلے ہی دن فیصل ہوگیا، ورنہ ابتک ترکی مین بھی قرآن کا ترجمہ علماے اتراک کی کوششون کے باوجود انجام نہ پاسکا، اور بعض علماے مصر نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا، کہ اس سے اصل قرآن کی وسعت مین فرق آئیگا،

ہم قرآن مجید کے ترجمہ کو حرام نہین سمجھتے تاہم اس مشکل سے کون آگاہ نہین کہ ایک زبان سے دوسری زبان مین اداے مطلب کسقدر دشوار ہے، پھر قرآن مجید کا جو اسلوب بیان اور مرتبۂ بلاغت ہے، اسکو پیش نظر رکھکر کسی زبان مین قرآن مجید کا صحیح ترجمہ درحقیقت دشوار ہے یہ تو نثر کا حال ہے، اس پر نظم و شعر کا اضافہ کرو، جب کلام منثور مین جسمین مترجم کو ہر قسم کے طول و اختصار اور تبدل و تغیر کا اختیار ہوتا ہے، ترجمہ مشکل ہے تو نظم اور شعر مین ترجمہ کرنا تقریباً محال ہوگا، وزن اور قافیے کی رعایت سے ہزارون مقام پر اضافہ اور اسقاط کرنا ہوگا اور اس طرح مطالب اور معنی مین تغیر اور تحریف یقینی ہے، مذکورہ بالا منظوم ترجمہ چند پارون تک انجام پاچکا ہے، اسوقت پہلا پارہ ہمارے سامنے ہے، ہم کہ نہین سکتے کہ اسکو دیکھکر مسلمانون کی حالت پر کسدرجہ تاسف ہوا، ترجمہ کی یہ جدید اور انوکھی ترکیب صرف روپیہ کمانیکی ایک ذلیل صورت کے لئے اختیار کی گئی ہے، غلط، مہمل، لغو اور غیر موزون اشعار کے علاوہ قرآن کے مطالب مین تحریف کی گئی ہے،

قرآن مجید نے شعر ہونے سے انکار قطعی کیا ہے ماھو بقول شاعرٍ وہ شاعر کا کہا نہین آنحضرت صلعم کی نسبت کفّار کا الزام تھا کہ وہ شاعر ہین، خدا نے فرمایا، ما علّمناہُ الشّعر وما ینبغی لہٗ ہم نے پیغمبر کو شاعری نہین سکھائی اور نہ یہ اسکے شایانِ شان ہی کفار قران کو شعر کہتے تھے، خدا نے فرمایا کہ قرآن شعر نہین لیکن ہم مسلمان کیا اب چاہتے ہین کہ سارے

تیرہ سو برس کے بعد پہلے جوامر قرآن کے لئے ننگ و عار کا باعث تھا وہ اب اسکے لئے سامان حسن او رمتاع آرائش قرار پائے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ قرآن کو جس دعوی سے انکار ہے تم عملاً دنیا مین اسکو ثابت کردکھاؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ کچھ دنون کے بعد نعوذ باللہ قرآن بھی ہندون کی رامائن اور مہا بھارت بنجاے،

مترجم اپنے ترجمہ کی خوبی اور غرض وغایت کی تفصیل ان الفاظ مین بیان کرتا ہے،

مثنوی معنوی کے رنگ مین — اک نئی طرز اور نرالے ڈھنگ مین
صاف وشستہ سہل اور آسان تر — تحت لفظی اور مسلسل سربسر
وہ بھی سب کے سب ہین اردو نظم مین — تا بطرز مثنوی اسکو پڑہین

ان اشعار کے اغلاط کو چھوڑ کر غور کیجیئے کہ گویا قرآن کے لئے سب سے کمی یہ تھی کہ وہ مولوی روم کی مثنوی کی طرح نہین، اسلئے مسلمانون کی سب سے عظیم الشان مذہبی ضرورت جس سے نعوذ باللہ وحی الہی کے نقص کی تکمیل ہوسکتی یہ تھی کہ قرآن کو مثنوی مولوی روم بنا دیا جاے، آگے چل کر محسن اعظم اپنے دعوی کی دلیل بھی پیش کرتا ہے،

کیونکہ ہر منظوم اد ۔۔۔ زبان کلام — فطرۃً ہے دل پسند خاص وعام

اسلئے بھی قرآن کو شعر بنانا چاہیئے تھا، گویا کہ اس بدبخت کے نزدیک قرآن کو اصلاً بھی نظم مین ہونا چاہیئے، لیکن چونکہ نعوذ باللہ وحی الہی نے غلطی کی، اسلئے اب مسلمانون پر اس کا تدارک فرض ہے، اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات،

ہم مسلمان اخبارات اور علماے اسلام سے درخواست کرینگے کہ وہ اس معاملہ مین پرجوش حصہ لین اور اس غلط کار رئیس کے فعل کو مستحق لعنت سمجھین کہ دوسرے ارباب ہوس کے لئے تنبیہ اور عبرت ہوسکے،

مقالات

اہل السنۃ والجماعۃ

۴

جنگ ہفتاد ودو ملت ہمہ را عذر بنہہ — چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

پہلی دو نشستون مین ہم یہ اچھی طرح واضح کرچکے ہین کہ مذہب کی اصلی اور حقیقی تصویر وہی ہے جو داعی مذہب کے علم وعمل اور اسکی تعلیم وتلقین کا صحیح اور ہو بہو عکس ہو، پیغمبر کی ضرورت ہم نے اسی لئے تسلیم کی ہے کہ عقل انسانی زندگی کی اصلی گرہون کے کھولنے سے عاجز ہے، اسلئے رحمت الہی انسانیت کے ایک بلند ترین پیکر کو روح القدس کے توسط سے انسانون کی رہنمائی کے لئے بھیجتی ہے، وہ لوگون کو ہر قسم کے تلقینات سے مشرف کرتا ہے، انکو انکی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے تعلیمات دیتا ہے، مافوق الفہم اسرار جنکے سمجھنے کی حیات انسانی کو حاجت نہین اور انکی عملی زندگی کے لئے انکا علم ضروری ہے، انکو وہ اسی طرح سربستہ چھوڑ کر آگے بڑھجاتا ہے، اور صرف انکے متعلق وہ یہ سکھا جاتا ہے،

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا،

اسکی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا، اور جو علم مین راسخ اور پختہ ہین وہ کہتے ہین کہ ہم اسپر ایمان لاے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے،

اس بنا پر اگر ہم ان اعتقادات اور تعلیمات پر جو پیغمبر نے انسانون کے لئے ضروری سمجھے اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اضافہ کرنا چاہتے، یا کچھ اسمین سے حذف کرنا چاہتے ہین، یا جس گرہ کو جہان تک اس نے کھول کر چھوڑ دیا ہے، ہم اسکو اور کھولنا چاہتے ہین، تو درحقیقت ہم اصل

نبوت کے ثبوت کے دعوی کو کمزور کر رہے ہین، اور عملاً ہم بتانا چاہتے ہین کہ انسانیت کی تکمیل کے لئے پیغمبر کی حاجت نہین، بلکہ خود عقل انسانی ہماری رہبری کے لئے کافی ہے حالانکہ اسکا ابطلان ہمارے نزدیک بدیہی الثبوت ہو چکا ہے،

غور کرو کہ مذہب کیا چیز ہے؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ انسان کی عملی زندگی کیلئے چراغ راہ ہے، انسان اور اسکی عملی زندگی کا تعلق تمامتر مادّیات سے ہے، اسلئے ماورائے مادّہ کی نسبت صرف وہین تک اُسکو تعلق ہے، جہان تک انسان کی عملی زندگی کیلئے ضروری ہے ہم اپنے مقصود کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے ذرا تفصیل سے کام لیتے ہین،

مذہب مین دو چیزین ہوتی ہین، عقاید، اور عبادات، (معاملات بھی درحقیقت عبادات ہین) دوسرے الفاظ مین انکی یہ تعبیر ہوسکتی ہے کہ مذہب علم اور عمل سے مرکب ہے،

علم کی دو قسمین ہین، ایک وہ جو مادّیات سے ماخوذ ہے، اور اُنہین سے وابستہ ہے، اور اس سے ہم مین بذریعہ مشاہدہ اور تجربہ کے یقین پیدا ہوتا ہے، دوسرا وہ علم ہے جسکا تعلق ماورائے مادّہ سے اور جسکے جاننے کا ذریعہ صرف تخیل، تصوّر اور ظن ہے، "آگ جلاتی ہے" یہ علم مادّی ذریعۂ احساس سے ہمکو حاصل ہوا ہے، اسلئے ہمکو اسکا اسدرجہ یقین ہے کہ غلطی سے بھی ہم آگ مین کودنے کی ہمت نہین کرسکتے، لیکن دوسرا علم یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر دوسرا جنم لیتا ہے، لیکن اس علم پر اعتماد کرکے کیا کوئی انسان اپنی زندگی کا آپ خاتمہ کردینے پر تیار ہوگا،

ہماری زندگی جس عالم سے تعلق رکھتی ہے، ہمارے اعمال جو اس عالم مین ظہور پذیر ہوتے ہین، افراد انسانی کی کامیابی اور ناکامی، قومین اور قومون کی ترقی و تنزل، عروج و زوال، انقلاب و تغیر، غرض انسانیت کے جملہ مظاہر، اور عالم کا تمامتر نظام ترقی انہین یقینیات

اور علوم قطعیہ پر مبنی ہین، اس بنا پر ان علوم و مسائل اور معلومات کے پیچھے پڑنا اور انکی گرہ کشائی چاہنا ہمارے لئے بالکل بیسود اور غیر مفید ہین،

ہمارا فلسفہ جسکا تعلق ماورائے مادّہ سے ہے وہ "علم ظنّی" ہے، سائنس کا اکثر حصہ ہمارے گذشتہ تجربون اور مشاہدون کی بنا پر ایک حد تک درجۂ یقینی رکھتا ہے، اب دیکھ لو کہ دنیا ان دونون مین سے کسکی ممنون ہے؟ یونان کے سب سے پہلے فلسفی تالیس سے لیکر ہیگین کے عہد تک ڈہائی ہزار برس مین فلسفہ دنیا کے لئے کسقدر کارآمد ہوا، اور سائنس نے دو تین سو برس کے اندر اندر عالم مین کیا انقلاب پیدا کردیا، اس بنا پر مادّہ یا ماورائے مادّہ کی نسبت یہ سوال کہ کیونکر ہے؟ اور کیون ہے؟ بالکل بیسود ہے، اور اسکی دلیل، اس سوال کے حل مین انسانی نسلون کی گذشتہ صدیون اور قرنون کی ناکامی ہے، بلکہ صرف ہمکو اس حیثیت سے اس موضوع پر غور کرنا چاہیئے کہ ہمارے لئے یہ کس طرح مفید ہوسکتا ہے،

یہی وہ نکتہ ہے جسکو یورپ نے اب سمجھا ہے، اور جسکو اسلام نے اپنے آغاز ظہور ہی مین واشگاف کردیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اہل السنۃ کے سوا اسلام کے اور فرقون نے اسکو محفوظ نہین رکھا، اور یہی آخر انکی بیراہہ روی کا سبب ہوا، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ اہل سنت کے مذہب کا مدار اور مبنی یہ دو اصول ہین،

(۱) داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے عقاید اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی اُسپر ایک ذرہ اضافہ یا اسقاط نہین ہوسکتا،

(۲) عقاید یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپنے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی اُسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل و قیاس و استنباط سے اُسکی تشریح و تفسیر صحیح نہین، اور نہ اُسپر ایمان لانا صحت اسلام کے لئے ضروری ہے

بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت عن الطریق کا موجب ہو،

اسلام کے تمام فرقے اگران دو اصولون پر قائم رہتے تو یقیناً عقاید کے وہ عظیم الشان اختلافات رُونما نہوتے، جسکے سیلاب نے ایک مدت تک سے کاشانۂ اسلام کے ارکان متزلزل کر رکھے ہین، خوب غور کرو گذشتہ مباحث مین مختلف فرقون کے جو مسائل اور معتقدات گنائے گئے ہین، اُنکی گمراہی کا سبب صرف یہی ہے کہ انھون نے ان امور کی تفصیل چاہی جن سے قرآن خاموش تھا، اور جنکی خود آنحضرت صلعم نے تشریح ضروری نہین سمجھی کہ اول تو وہ ان اسرار سربستہ اور عقدہاے مشکل مین سے ہین جنکی تحلیل عقل انسانی کے فہم و ادراک سے باہر ہے، اور ثانیاً یہ کہ انسان کی عملی زندگی کے لئے اُنکا علم بیسود ہے،

شریعت نے خدا کے متعلق یہ بتایا کہ وہ ایک ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، وہ تمام اچھی صفتون کا مرکز ہے، اسکے بعد یہ بحث کہ وہ ایک کس حیثیت سے ہے، صفات کی مختلف قسمین ہین، کونسی صفتین اُسمین پائی جاتی ہین، یہ صفات اُسکی ذات مین داخل ہین یا اُسکی ذات سے الگ ہین، اگر الگ ہین تو قدیم ہین یا حادث، اگر قدیم ہین تو تعدد قدما لازم آتا ہے، حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ہے، اگر حادث ہین تو خدا محل حادث ہوگا، اور محل حادث خود حادث ہوتا ہے اگر الگ نہین بلکہ ذات مین داخل ہین تو ذات کا جزء ہو کر یا کل ہو کر، اگر ذات کا جزء ہے تو خدا کی ترکیب لازم آتی ہے، اور اگر کل ہے تو عین ذات ہوگی، اس لحاظ سے اسکی ذات اور صفات مین سے ایک کی نفی لازم آئیگی، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ وغیرہ مختلف صفات مختلف نہین، بلکہ متحد ہو جائینگی،

خدا کی نسبت ہاتھ، پاؤن، منھ اور قدم کے الفاظ کتاب وسنت مین آئے ہین، انسے حقیقی معنی مراد ہین یا مجازی، خدا کی نسبت قرآن مین ہے کہ "وہ عرش پر متمکن ہے" اور یہ بھی ہے کہ

"جدہر منھ پھیرو اُدہر ہی خدا ہے" یہ بھی ہے کہ وہ تمھاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے" تو آیا وہ کسی خاص جگہ مین ہے یا جگہ سے مبرا ہے، پہلی صورت مین اُسکا جسم ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری صورت مین ایک خاص موجود ذات کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ ہے ایک سنجیدہ حماقت ہے،

احادیث صحیحہ مین ہی کہ قیامت مین خدا نیک بندون کو نظر آئیگا، اگر یہ تسلیم کر لین تو لازم آئیگا کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ مین ہو، اور اگر نظر آنا تسلیم کرین تو انھین آنکھون سے وہ رویت ہوگی یا کسی اور جدید حاسہ سے، ان آنکھون سے نظر آنا، خدا کے لئے جسم، رنگ، تحدید، تعین وغیرہ کو مستلزم ہے اور آخری صورت مین ایک معقول امر یعنی موجودہ ذرایع احساس کے علاوہ کسی اور ذریعہ احساس کا اعتقاد فہم سے بالاتر ہے،

شریعت مین اسقدر ہے کہ خدا نے عالم کو پیدا کیا، اور وہ اسکا مخلوق ہے، اسکے بعد یہ مباحث کہ خداوند تعالیٰ اسکی علتِ کامل یا ناقص ہے، اگر علت ناقص یعنی غیر تامہ ہے تو عالم کی خالقیت کے لئے کسی اور شے کی شرکت بھی لازم آتی ہے، اور اگر علت کامل یعنی تامہ ہی تو علت تامہ اور معلول کا وجود ساتھ ساتھ ہوتا ہی، اس بنا پر عالم کو بھی قدیم ہونا چاہیئے،

قرآن نے یہ بتایا ہے کہ بندون کے تمام افعال خدا کے حکم سے ہوتے ہین، اُسکے بعد یہ سوالات کہ اسکا حکم ہی فعل کے وجود کا سبب ہوتا ہے، کہ یا بندہ کے عمل کو بھی دخل ہوتا ہے، اگر دخل نہین تو بندہ کو مجبور محض کہنا ہوگا، اگر دخل ہے تو یہ دخل موثر ہے یا غیر موثر، اگر موثر ہے تو درحقیقت وہ اپنے فعل کا آپ خالق ہوا، اور اگر غیر موثر ہے تو دوسرے معنی مین جبر ہے،

یہ تمام مذکورۂ بالا مسائل اور انکی جو تشقیقین کی گئی ہین وہ نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی فرقہ کا معتقد علیہ اور مسلک ہے، لیکن تم نے دیکھا کہ عقلی توہم پرستی کے اعتراضات سے کوئی شق بری نہین، یہ اعتراضات یا لوازم مستحیلہ یا عقلی سرگردانیان کیون پیدا ہوئین، اسلئے کہ ہم

قرآن کی تلقینات پر قناعت نہین کرتے، اور ان امور کی تشریح چاہتے ہین جنکی تشریح سے
عقل انسانی عاجز ہے اور ہماری عملی زندگی کے لئے وہ غیر ضروری ہین،

اگر ہم اپنے معتقدات کے احاطہ کو اس دایرہ کے اندر کرلین جسکو وحی الٰہی کے پرکار نے
سطح اسلام پر کھینچا ہے، تو یہ حصار ہمارے لئے یقیناً قلعہ روئین کا کام دیگا، اور ہم ان بہت سے
خدشون اور حملون سے محفوظ ہوجائینگے جو قرآن کی تصریحات کے سبب نہین بلکہ خود ہمارے
عقلی تفصیلات کے باعث ہم پر عاید ہوتے ہین، اور غلطی سے ہم انکا مستوجب اپنے مذہب کو
قرار دیتے ہین، تمام فرق اسلامیہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ عقل اور فلسفہ نے جس امر کے
متعلق بھی کوئی جواب چاہا، انھون نے اپنے ناخن تدبیر سے اسکو حل کیا، اور نفیاً یا اثباتاً
اسکو داخل مذہب کرلیا،

اشاعرہ سے بہت کچھ ہکو امیدین ہوسکتی تھین، لیکن یہ دیکھکر کسقدر افسوس ہوگا کہ اس
غلطی عام سے وہ بھی اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے، یہانتک کہ خالص فلسفیانہ مسائل جنکو مذہب سے
ایک ذرہ تعلق نہین، مثلاً جزء الذی لایتجزی کی بحث، طفرہ کا مسئلہ، رویت کے اسباب استطاعت
مع الفعل کی بحث وغیرہ اسکو بھی انھون نے کفر اور اسلام کا معیار قرار دے لیا، اگر آج ہمارے
عقاید کی کتابون کی چھان بین کیجاے تو نصف سے زیادہ اوراق انہین مباحث سے
مملو ہونگے، حالانکہ حق یہ تھا کہ جن مسائل سے اسلام خاموش تھا وہ نفیاً یا اثباتاً عقاید مین
سرے سے داخل ہی نہوتے، اور مذہبی حیثیت سے اُن سوالات کا جواب سکوت تھا کہ اگر
وہ مذہب کے ضروری جزء تھے تو شارع اُنکے بیان سے خاموش نرہتا، اور جب وہ خاموش
رہا تو معلوم ہوا کہ وہ مذہب سے متعلق نہین اور نہ اُنکا جاننا ہمارے لئے مذہباً ضروری ہے،

الغرض اہل السنۃ نے جو صراط مستقیم اختیار کیا وہی درحقیقت اس طوفان انکار اور

طغیان خیالات کی حالت مین سفینۂ نوح ہوسکتا تھا، لیکن یہ کسدرجہ افسوسناک امر ہی کہ
دو سو برس کے بعد تیسری چوتھی صدی مین جب مسلمانون مین فلسفہ نے عروج حاصل
کرلیا تھا اور ممالک اسلامیہ کے در و دیوار سے اسکی آواز بازگشت آرہی تھی خود اہل السنۃ مین سے
چند افراد اُٹھے اور قدیم شاہراہ کو چھوڑکر انھون نے اہل السنۃ اور دیگر فرقون کے درمیان
ایک نیا راستہ پیدا کیا اور عقل ونقل اور فلسفہ و سنت کے درمیان مین ایک متذبذب الصورۃ
طریقہ کو اپنا مسلک قرار دیا، انھون نے یہ سمجھا کہ اس طریقہ سے وہ نہ تو معتزلہ کی طرح قرآن
وسنت سے دُور پڑجائینگے اور نہ ارباب ظواہر اور محدثین کی طرح عقلاے فلسفہ کے لئے
قابل مضحکہ رہین گے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ انکے معتقدات و مسائل نہ تو اصل قرآن وسنت کے
مطابق ہی رہے، اور نہ عقل و فلسفہ کے دربار مین وہ رسوخ پاسکے،

مثلاً ایک طرف تو انھون نے معتزلہ کے ساتھ ہوکر خدا کی جسمیت سے انکار کیا، اور
ان آیتون مین جنمین ہاتھ اور منھ کا ذکر تھا تاویل کی اور دوسری طرف ظاہریہ کے ساتھ خدا کی
رویت کا اقرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ اہل السنۃ کا ساتھ دیسکے اور نہ فلسفہ کی معیت برقرار رکھ سکی
اُنکو بدیہیات کا انکار کرنا پڑا کہ رویت کے لئے مرئی جسم ہونا، متحیز ہونا، ذی لون ہونا، آنکھ کے
سامنے ہونا، اس سے ایک مناسب مسافت پر ہونا ضروری نہین، ایک اور مسئلہ مین یعنی
مسئلہ جبر و قدر مین انھون نے اسی قسم کا توسط اختیار کیا، ایک طرف تو یہ کہا کہ تمام افعال کا خالق
خدا ہے، یہ کہکر گویا اپنے کو معتزلہ اور قدریہ سے الگ کیا، دوسری طرف انسان کے لئے کسب
ثابت کیا کہ جبر نہ لازم آئے، لیکن جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ کسب فعل کے وجود کے لئے
موثر بھی ہے تو جواب نفی مین دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جبریہ سے کچھ زیادہ اچھے نہین رہے،

استاذ مرحوم نے خوب کہا ہے،

دو دل بودن درین رہ سخت تر عیب است سالک را
خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوے ایمان ہم

(۵)

جسطرح اسلام مین بہت سے ایسے فرقے ہین جو درحقیقت دائرہ اسلام مین داخل نہین، اسی طرح بہت سے ایسے فرقے بھی ہین جو خود کو اہل السنۃ کہتے ہین لیکن حقیقۃً وہ ان مین سے نہین ہین، سبب یہ ہے کہ قدماے اہل السنۃ نے جو اصول قرار دیئے تھے، دیگر عقل پرستون کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر متاخرین نے اُن مین صریح تحریف کی اور صحیح استہ سے انحراف کیا اور با این ہمہ وہ اپنے کو اہل السنۃ سمجھتے ہین، بلکہ لفظ اہل السنۃ کا صحیح مخاطب صرف اپنے ہی کو جانتے ہین،

تیسری چوتھی صدی سے اہل السنۃ تین عظیم الشان شاخون مین منقسم ہین، اشاعرہ حنابلہ، اور ماتریدیہ، اشاعرہ امام ابوالحسن اشعری المتوفی ۳۲۴ھ کی طرف منسوب ہین، اور امام شافعی کے عقاید کے شارح سمجھے جاتے ہین، اسلئے تمام شوافع اشعری ہین حنابلہ امام احمد بن حنبل کے پیرو اپنے کو کہتے ہین، ماتریدیہ، امام ابومنصور ماتریدی کے پیرو ہین، جو، بچند واسطہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہین، اسلئے احناف نے عقاید مین اُنکو اپنا امام مانا،

یہ فرقے جن بزرگون کو اپنا بانی اور امام سمجھتے ہین، یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد صحیح اسناد کے روسے انکی کوئی تصنیف عقاید مین ثابت نہین ہے، جستہ جستہ جو اُنکے اقوال ملتے ہین وہ قدماے اہل السنۃ اور سلف صالح کے مطابق ہین، بہرحال متاخرین اہل السنۃ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ان مسایل کے متعلق جن سے شریعت خاموش تھی اُنکو حوالہ علم الٰہی کرنیکے بجاے انکی نسبت دیگر فرقون کی طرح ادعائی پہلو اختیار کیا اور بہت سے فلسفیانہ مسائل کو جنکو شریعت سے اصلاً تعلق نہ تھا، انکو داخل عقاید کر دیا،

حنابلہ سب سے زیادہ اہل السنۃ ہونیکے مدعی ہین، اور اشاعرہ کو اسی طرح وہ گمراہ جانتے ہین جس طرح اشاعرہ معتزلہ کو، چنانچہ بغداد مین حنابلہ اور اشاعرہ کی معرکہ آرائیان بدر و حنین کے جوشِ جہاد کو زندہ کرتی تہین، اعاذنا اللہ، ماتریدیہ اپنی تصنیفات مین مثلاً عقیدۂ بزدوی اور تمہید ابو سالم وغیرہ مین اپنے کو اشاعرہ کے مقابلہ تنہا اہل السنۃ کہتے ہین، یہی حال اشاعرہ کا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر تصریحات سلف سے ان متاخرین کے خیالات کو ملایا جاے تو معلوم ہو جائے

کہ یاران دیگرے را می پرستند

ظاہریہ اور حنابلہ کا یہ کہنا کہ خدا آسمان پر ہے اور تخت پر بیٹھا ہے، اور جہمیہ اور معتزلہ کا یہ کہنا جسکے ساتھ افسوس ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ وغیرہ مدعیان سنت بھی ہم نوا ہین کہ خدا کسی مکان مین متمکن نہین ہے، اور تعین جہت سے پاک ہے، شریعت کے حدود سے متجاوز ہونے مین دونون برابر ہین، مجسمہ کا یہ قول کہ خدا کے جسم ہی اسکے ہاتھ، پاؤن اور منہ ہی اور معتزلہ کے ساتھ اشاعرہ و ماتریدیہ کا یہ اعتقاد کہ وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر ہے نہ عرض ہے، نہ متشکل ہے نہ متصور ہے، کتاب وسنت کے دلالت نص سے دونون خالی ہین، کرامیہ کا تمام صفات کو حادث کہنا اور معتزلہ کا یہ اعتقاد کہ کلام الٰہی حادث ہے، سرمایۂ صد عیب اور مخزن صد گونہ کفر سمجھا جاتا ہے، لیکن اشاعرہ اگر صفات اضافی مثلاً صفتِ خلاقی و رزاقی کو ازلی اور قدیم نہ کہین تو کیون انکو بھی بُرا نہ کہا جاے کہ شریعت جس طرح اول و ثانی سے خاموش ہے ثالث کی بھی اُس نے تصریح نہین کی ہے، اسی طریقہ سے معتزلہ کا یہ قول کہ صفات عین ذاتِ خدا ہین، حنابلہ کا یہ اعتقاد کہ صفات غیر ذات ہین اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا یہ خیال کہ وہ نہ عین ہین نہ غیر ہین، اصل شریعت سے عدول اور خروج مین تینون برابر ہین کہ ان مین سے شریعت نے کسی کی تصریح نہین کی ہے، جبریہ کا یہ قول کہ انسان جمادات اور نباتات کی طرح

سلوب الاختیار ہے، قدریہ کا یہ کہنا کہ وہ ہر طرح سے کامل الاختیار ہے، اشاعرہ کا یہ بیان کہ ہمارے کسب کو بھی اسکے اندر دخل ہے، لیکن اس فعل پر ہمارے کسب کا کوئی اثر نہین بلکہ براہِ راست خدا کا وہ فعل ہے، بعینہ جبر کے ہم معنی ہے، ماتریدیہ کا یہ خیال کہ خدا کے خلق کے ساتھ ہمارے کسب کو فعل مین بھی دخل ہے، اسکے یہ معنی ہین کہ ہر فعل کے بندہ اور خدا دونون مشترک طور سے خالق ہین،

قرآن مجید کو معتزلہ مخلوق اور حادث کہتے ہین، اور اسکی بنا پر اُس زمانہ کے ظاہر بین محدثین نے انکو کافر کہا، اور علی الرغم یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ قرآن نہ صرف معنوی حیثیت سے بلکہ اسکے الفاظ تک غیر مخلوق اور حادث ہین، دلیل سُنیے کہ قرآن مین اللہ کا نام ہے، کیا اللہ مخلوق اور حادث ہے؟ اور جو اُسکو مخلوق اور حادث کہے وہ کافر نہین تو اور کیا ہے؟ آخر اُنہین مین سے متاخرین یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ نے اس احمقانہ دلیل کو قابل مضحکہ سمجھکر رد کردیا، اور یہ تفصیل کی کہ کلام کا ایک مفہوم ہوتا ہے، جو متکلم کے دل مین ہوتا ہے، اور ایک الفاظ کا مجموعہ ہے جسکے ذریعہ سے اصل مفہوم اور کلام نفسی کی تعبیر ہوتی ہے، اول قدیم ہی اور غیر مخلوق اور ثانی حادث ہی اور مخلوق،

لیکن اسی زمانہ مین جو لوگ اہل نظر اور خالص کتاب وسنت کے پیرو تھے، انھون نے اس عامیانہ شور وغل کی پروا نہ کی، اور نہ معتزلہ کے جوش مخالفت مین صدق اور راستی کا سررشتہ انکے ہاتھ سے چھوٹا، اُنھون نے صاف کہا، قرآن خدا کا کلام ہے اور بس! نہ مین خالق کہونگا نہ مخلوق، یہ بالکل صحیح جواب تھا کہ اصل شریعت کے رُو سے اسکو مخلوق کہنا جس طرح شر ہے غیر مخلوق کہنا اس سے کم نہین،

ان تصریحات سے واضح ہوگا کہ تارکین سنت اور متاخرین اہل سنت جنھون نے معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقون سے مرعوب ہوکر قدماے اہل سنت کے اصول مین ترمیم کی اور اپنے

مذہب کو قواعد عقلی کے مطابق بنانیکی کوشش کی، نتیجہ کے رُو سے ان دونون مین بہت ہی کم فرق ہے، اور درحقیقت ان متاخرین کے اقوال کو سلف صالح اور اہل سنت کے عقاید اور خیالات سے کوئی واسطہ نہین ہی اور اگر ہے تو صرف اسیقدر جسقدر وہ کتاب وسُنّت سے قریب ہین،

جب ایک مسئلہ کے متعلق شریعت نے کچھ نہین بتایا اور نہ اسکا جاننا اور اسکی اپنی عقل سے تفصیل کرنی مدار ایمان بتایا، اور نہ کسی حیثیت سے داعی اسلام نے اپنے مومنین سے اسپر ایمان لانیکا مطالبہ کیا، اُسکے متعلق تمہارا نفیًا یا اثباتًا کوئی بھی پہلو اختیار کرنا اور اُسکو اسلام کا مبنی قرار دینا کیا حقیقت رکھتی ہے؟ کیا اس بارہ مین تمہارا فعل دوسرے فرقون کے فعل کے مقابلہ مین کچھ زیادہ مستحسن ہوگا، اگر ان گرہون کے کھولنے کے لئے تمہاری عقل رہبر بن سکتی ہے تو تم آگے بھی بڑھ سکتے ہو، اور نعوذ باللہ دنیا کو پیغمبرون کی آمد وبعثت سے مستغنی بھی بنا سکتے ہو،

آنحضرت صلعم کے دست مبارک پر تقریبًا ایک لاکھ نفوس قدسیہ نے ایمان واسلام کی بیعت کی، لیکن کیا تم کو وہ دفعات معلوم ہین جن پر اُنکے ایمان اور اسلام کی بنا تھی، کیا تمہارے پیدا کردہ سیکڑون عقاید کلامی مین سے ایک بھی اُنکے سامنے پیش کیا گیا، اگر نہین تو اپنے خود ساختہ اصول کی حیثیت سے نعوذ باللہ تم اُنکو کیا کہوگے، اُنکا ایمان صرف یہ تھا، جسکو سورہ بقرہ کے اول وآخر مین بیان کیا گیا ہے،

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ آخر)

پیغمبر جو کچھ اسپر اُترا اسپر ایمان لایا، اور تمام مومنین ہر ایک خدا پر ایمان لایا اسکے تمام فرشتون پر اُسکی تمام کتابون پر اور اسکے تمام پیغمبرون پر ہم اُسکے پیغمبرون مین سے کسی مین تفریق نہین کرتے،

یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (بقرہ اول)

اتقی لوگ، جو کچھ تجھپر اترا اور تیرے پہلون اُترا ایمان لاتے ہین، اور آخرۃ پر بھی وہ ایمان رکھتے ہیں

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جنمین خدانے یہ بتایا ہے کہ کن چیزون پر ایمان لانا ضروری ہے جب کوئی شخص قرآن پر ایمان لایا تو اسکے اندر جو کچھ ہے، اجمالاً یا تفصیلاً اُن سب پر ایمان لایا، خدا کے جو صفات اس مین مذکور ہین، کتب الٰہی، ملائکہ اور پیغمبرون کے متعلق اس مین جو کچھ ہے قیامت، حشر و نشر، دوزخ و بہشت کی نسبت جو حالات اس مین مذکور ہین، یہ تمام چیزین اسکے اندر داخل ہوگئین، چنانچہ قدماے اہل سنت اور سلف صالح کا اعتقاد یہ تہا کہ ان مین سے ہر چیز پر ایمان اسی حیثیت سے اور اسی حد تک لانا ضروری ہے، جہانتک قرآن مجید نے اسکا مطالبہ کیا ہے، یا جہانتک سنت صحیح اور متواتر نے ثابت کردیا ہے، کیونکہ یہ متفق علیہ طور سے ثابت ہے کہ عقاید کا ثبوت صرف قرآن مجید سے ہوسکتا ہی، اور احادیث مین سے صرف ان حدیثون سے جو بذریعہ تواتر مروی ہین، خبر احاد مسلّم یقین نہین ہی اسلیے وہ یقینیات کا مبنی نہین قرار پاسکتی، اور ایمان یقینیات کا نام ہے،

اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب سے ظاہریہ اور عام محدثین سخت غلطی مین مبتلا ہوگئے اُنھون نے رطب و یابس اور احاد و متواتر کو ایک جگہ جمع کردیا ہے اور کہتے ہین کہ اُس پر ایمان لاؤ، مثال کی طور پر بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات دیکھو، حالانکہ یہی کام اگر احتیاط سے عمل مین لایا جاتا تو درحقیقت محدثین ہی کا علم کلام اسلام کا علم کلام ہوسکتا تھا،

باقی

الکلام طبع اول

بہت سے شایقین الکلام طبع اول واعلےٰ کے شائق تھے، چند نسخے ایک جگہ سے ہاتھ آئے ہین، قیمت ۱۲؎

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

ایک شاعر کی حیثیت سے

شاہ صاحب کا تبحر علمی اور انکا فضل و کمال ہندوستان کی سرزمین کے لئے سرمایۂ ناز ہے مصر و شام مین ابن تیمیہ، ایران مین غزالی اگر پیدا ہوسکتے تھے تو ہند کی خاک ولی اللہ کی پیدائش سے عاجز نہ تھی، شاہ صاحب کی متانت، وقار، سنجیدگی اور مرشدانہ سکوت کا جو تخیل انکی تصنیفات کو پڑھکر ہوتا ہے، حقیقت مین ایسا نہین ہے، انکے قلم سے آبحیات کے جو قطرے ٹپکتے ہین وہ خود زندہ دلی کے ثبوت ہین، تاہم یہ کیسکو خیال بھی نہین ہوسکتا تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا مصنف ایک اُردو یا فارسی کا شاعر بھی ہوسکتا ہے ؟ ارباب معرفت اپنی خلوت مین جسکو شیخ العصر کہتے ہین، علماء اپنے حلقۂ درس مین جسکو امام الہند سے مخاطب کرتے ہین، کوئی کہ سکتا تھا کہ بزم شاعری مین حضرت اشتیاق انکا خطاب ہے،

مرزا علی لطف کے تذکرۂ گلشن ہند نے سب سے پہلے اس راز کو فاش کیا، وہ شاہ صاحب کے معاصر تھے، لکھتے ہین، "کوٹلے مین فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی بسر کرتے تھے، اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا، اور زبان ریختہ کا شغل اکثر یہ اشعار خلاصۂ افکار اس حقیقت آگاہ کے ہین" اسکے بعد انکے چند اردو شعر لکھے ہین،

جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے، تصوف ابر کی طرح تمام ہندوستان پر چھایا تھا، دلی اور لکھنؤ کی طرز شاعری مین جو فرق ہے، اسکا اصل سبب یہ ہے کہ دلی کی شاعری نے تصوف کے آغوش مین تربیت پائی ہے، فارسی شاعری زندہ تھی، اور اسکے خیالات ہر سخنگو کی رگ و پے مین سرایت کرگئے تھے، وہ جب بھی کچھ کہنا چاہتا تھا، گذشتہ مسموع خیالات دوبارہ موزون ہوکر

زبان سے ادا ہوتے تھے، لکھنؤ مین شاعری رنگینی طبع اور ہوس در و بام کا نتیجہ تھی، اسلئے زبان، خیالات اور طرز ادا کا فرق ضروری تہا،

دلی کے ابتدائی شعراء، جو طبقات شاعری کی پہلی سطح ہین، ان مین سے بغور ہر ایک کو دیکھو تو ایک صوفی منش پاکباز صاحبِ ارادت نظر آئیگا، شمس ولی اللہ نظم اردو کی نسل کے آدم" ہین، لیکن تمکو معلوم ہو کہ وہ دلی کے شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید اور شاگرد تھے، اُنکی شاعری اسی گلشن کی بہار تھی،" کائنات اردو کا دوسرا پیغمبر" شاہ مبارک آبرو ہین، وہ شاہ محمد غوث گوالیاری کی اولاد تھے، اور دلی مین تصوف کے چشم و چراغ تھے،

اس طبقہ کے تیسرے رکن شیخ شرف الدین مضمون شیخ فرید الدین شکر گنج کی خاندان کی یادگار تھے، انکے کلام کی شیرینی اسی شکرستان سے ہے، سپہگری چھوڑکر صوفی بنے، زینت المساجد مین جو قدم رکھا وہ مرکر اٹھایا،

شاہ حاتم جسکے دامن فیض مین میر و سودا اور درد پلکر اُٹھے، مشاہیر فقرا مین ہین، مرزا جانجانان مظہر جنکی ذات کے انتساب سے اردو شاعری کو فروغ ہے، وہ مجددی خاندان کے مرشدِ کامل تھے، خواجہ میر درد جو اردو کے "عناصر اربعہ" مین ہین، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے سِلسلۂ نسب مین داخل تھے اور فقر و تصوف کے پیر روشن ضمیر تھے،

شاہ ولی اللہ صاحب روز چہارشنبہ ۴ - شوال سنہ ۱۱۱۴ھ کو دہلی مین پیدا ہوئے تاریخی نام عظیم الدین ہے، سنہ ۱۱۴۳ھ مین عرب گئے، اور سنہ ۱۱۴۵ھ مین دہلی واپس آئے، اور سنہ ۱۱۷۶ھ مین وفات پائی،

جن شعراء کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ دلی کا گوشہ گوشہ انکے چہچہون سے گونج رہا تھا، وہ صرف اردو کے شاعر نہ تھے، ان مین سے ہر ایک اردو کے ساتھ فارسی کی

زمین کا بھی مالک تھا، شاہ صاحب اسی دلی مین رہتے تھے، ان بزرگون سے اُنکی معاصرانہ صحبتین ہونگی، فقر و تصوف کے اتحاد مذاق نے ان مین یکرنگی پیدا کردی ہوگی، دوسرے صاحبون کی نسبت تو ہمارا علم لاعلمی کے پردہ مین مخفی ہے، لیکن وہ اور مرزا جانجان باہم تعلقات کے رشتون سے وابستہ تھے، علمی اور صوفیانہ برادری کے علاوہ شاہ صاحب اور مرزا صاحب ایک ہی خاندان سے نسبت رکھتے تھے، مجددیت کی خانقاہین اس عہد مین انہین دو بزرگون کے سلسلون سے آباد تہین،

کلمات طیبات کے نام سے شاہ صاحب، مرزا جانجانان، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے فارسی خطوط کا مجموعہ چھپکر شایع ہوچکا ہے، اور مجددیون مین متداول ہے، اسمین شاہ صاحب کے متعدد خطوط مرزا صاحب کے نام موجود ہین، شاہ صاحب ان خطوط مین مرزا صاحب کو "قیّم الطریقۃ الاحمدیہ" سے خطاب کرتے ہین،

بہرحال ان گوناگون اسباب کی بنا پر اگر شاہ صاحب کی سیرت اُنکی شاعری کے ذکر سے خالی ہوتی تو ہمکو تعجب ہوتا، لیکن الحمد للہ کہ یہ تعجب مختلف شہادتون کی بنا پر رفع ہوگیا شاہ صاحب عربی، فارسی اور اردو کے پختہ گو اور کہنہ مشق شاعر تھے،

عربی کے متعدد قصاید اُنکے لکھے ہوے مختلف کتابون مین چھپ چکے ہین، اُنکے عربی کا مختصر دیوان جناب مولانا سید عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے مرتب کیا ہے اور ہماری نظر سے گذرا ہے، اس مین شک نہین کہ ہندوستان مین عربی شاعری کا جو معیار تہا یہ قصاید اس سے بلند ہین، لیکن حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کی حیثیت سے ہمکو جو اُن سے توقع تھی وہ اس سے فروتر ہین، ان قصاید کا موضوع، حدیث و سنت کی مدح، مدینہ منورہ کا شوقِ زیارت اور انحضرت صلعم کی نعت ہے، بہرحال اسوقت انکی عربی شاعری سے

بحث کرنا مقصود نہین، اسلیے ہم انکو قلم انداز کرتے ہین،

شاہ صاحب کے فارسی اشعار عام نگاہون سے پوشیدہ ہین، شاہ صاحب کے با اخلاص مریدون مین ایک بزرگ کا نام امین ہے، شاہ صاحب نے امین کے نام جو فارسی خطوط لکھے ہین، اور جو کلمات طیبات مین موجود ہین، انکی فرمائش سے اپنے فارسی اشعار ان مین لکھے ہین اور انکے مطالب حل کئے ہین، ان مین سے ہر شعر منزل حقیقت کا ایک ایک قدم ہے، انکے فارسی اشعار کو پڑھکر تعجب ہوتا ہے کہ ایک مجددی کی زبان سے یہ خیالات کیونکر ادا ہوتے ہین، ان اشعار کو دیکھکر یہ فیصلہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ احمد سرہندی کے اسرار وحقائق ہین یا مولوی روم اور عراقی کے صوفیانہ نکات حل ہو رہے ہین،

اصل یہ ہے کہ اسوقت شاعری کے لباس مین جو تصوف جلوہ نما تھا، شاعر کے اصلی معتقدات جو کچھ ہون لیکن جب وہ اس رائج الوقت بولی مین کچھ بولنا چاہیگا تو بیساختہ اسکی زبان سے وہی خیالات ادا ہونگے،

شاہ صاحب کہتے ہین:

دلے دارم ز خود خالی جبالبش میتوان گفتن — درد کیفیے جوش شرابش میتوان گفتن
وجود بے نمود معنی ما دیدنی دارد — درین نیرنگہا بوے گلابش میتوان گفتن
سویداے دل ما یابی اندر پیچ و تاب او — نقوش عالم ام الکتابش میتوان گفتن
فرو پاشیدم از ہم کثرت موہوم چون شبنم — ز فیض معنی ما آفتابش میتوان گفتن

ان تشبیہون کے ظاہری پردے کے اندر جن خیالات کا اظہار ہوا ہے وہ درحقیقت شاعری کی اصلی کیفیتین ہین، جو "شنیدہ" نہین بلکہ "دیدہ" ہین،

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را — خرد شد در دل شبہا نمیکردم چہ می کردم

دلے پرورد جان افگار و یار تند خو دارم — جہان را پند یار یہا نمیکردم چہ می کردم
غم تحصیل و بار شغل و درد عزل می بینم — جنون ترک منصبہا نمیکردم چہ می کردم
کسے با گل ہمی سازد، کسے با گل ہمی بازد — اگر من یاد آن لبہا نمیکردم چہ می کردم
مے تحقیق را از خم مشربہا برون دیدم — خروج از قید مشربہا نمیکردم چہ می کردم
حجاب وصل مطلوب است دل بستن بمطلبہا — امین! اگر ترک مطلبہا نمیکردم چہ می کردم

پہلا شعر مقام تحیر سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا اور تیسرا شعر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ تصوف اور ترک مرادف شئے ہے، پانچوان شعر اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہی جو جذب وسلوک کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے، ایک پرلطف اور قابل سیر مقام سے رہرودن کا قافلہ گذرتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی یہان کسی چیز کو دیکھتا رہجاتا ہے، کوئی وہان ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے لیکن جسکو اصل مطلب کی جستجو ہوتی ہے، وہ ان جلوہ نمائیون کو راہ کا کانٹا سمجھکر ان سے دامن سمیٹتا ہوا آگے بڑہجاتا ہے، پانچوان شعر صرف شاعرانہ تخیل نہین بلکہ شاعر کی اصلی کیفیت کا اظہار ہے،

ساقی کرمے کن کز ہوس خود افتم — من یار خودم، خود از دوش خود افتم
مثل مے جوشان کز خم بدر افتند — جوشی زدہ بر خود از جوش خود افتم
از ہر بن موئیم جو شد مے دیگر — از فرط تمایل ز آغوش خود افتم
زین تیر زبانی آزردہ دلم من — خوش آنکہ ز مانی خاموش خود افتم

ان تمام شعرون مین جس افتادگی کی طلب ہی وہی شاعر کی بلندی پرواز کی دلیل ہے،

تا بکے محنت مہجوری دوری بکشم — تا زمین وطنم سوے وطن باز روم
تا بکے ہمدمی سنگ بود شیوۂ من — گوہرے از عدم سوے عدان باز روم

تا بکے بستۂ زنجیر تعلق باشم — آہوے از ختنم سوے ختن باز روم

بوے جان می رسد از باد مین در دو جہان — شاہ ملک یمنم سوے یمن باز روم

ان تمام مختلف تشبیہات کے ذریعہ سے ایک ہی مطلب ادا ہوا ہے ہستی امکانی کی رجوع الی الاصل کی خواہش،

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام

مبتلاے حیرتم جان گو گئت باجانِ جان — اصطلاح شوق بسیار است من دیوانہ ام

شوق موسیٰ در ظہور او و نار طور او — در نہادِ شمع آتش می زند پروانہ ام

باجمال ذاتیش حسن دگر در کار شد — چشم اُو را سرمہ ام با زلف اُو را شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ — تا ترا بشناختم جانا ز خود بیگانہ ام

ای امین بر مستیم نام تجدد تہمت است — در ازل پیشیں از زمان تعمیر شد میخانہ ام

غزلون کے اکثر شعر "تحیر" کے حدوث و اظہار مین ہین، آخری شعر مین جو خیال ظاہر کیا وہ گوپا مال ہے لیکن شاہ صاحب کی زبان سے ہمکو یہ ایک بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی ہے اسلئے تعجب سے سُنتے ہین،

نخستین بادہ کاندر جام کردند — ز چشم مست ساقی وام کردند
مرا جسش عکس آن گلفام کردند

ہویدا شد در امکان صورت حق — باآن صورت جہان را رام کردند

ہمی بایست تفصیلی ازان روے — مکارم را بما اتمام کردند

شرابِ وحدت از خمخانۂ غیب — مرا صبح ازل در کام کردند

چو غلطیدم ز مستیت بہر سو — حریفان مستی از من وام کردند

حقیقت را کہ مستور از نظر بود — بما مشہود خاص و عام کردند

پس آنگہ موج دریا باز گردید — باتمام فنا اکرام کردند

امین رمزِ دقیقے با تو گویم — بخود آغاز نیز انجام کردند

یہ آخری غزل عراقی کی اس غزل کا جواب ہے، جسکا مقطع ہی ع عراقی را چرا بدنام کردند، ان شعرون کو پڑھکر کون کہیگا کہ شاہ صاحب مجددی محض تھے، وحدۃ الوجود کا کونسا عقدہ ہی جوان شعرون مین حل نہین ہوا ہے، ان غزلون کے علاوہ انکے متعدد قطعات اور رباعیان بھی ہکو ملی ہین، لیکن ان مین شاعری کی حیثیت سے کوئی نئی بات نہین، اتباع سنت، اور دیگر مواعظ و نصائح کی باتین سادہ اور معمولی بول چال مین ادا کی ہین،

مرزا علی لطف کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ فارسی سے زیادہ شاہ صاحب کو اُردو مین کہنے کا اتفاق ہوتا تھا لیکن افسوس کہ انکی اردو کی دو پوری غزلین بھی ہم تک نہ پہنچ سکین، خود صاحب تذکرہ نے جو شعر لکھے ہین انہین پر قناعت کرنا چاہئے، ان غزلونکی زبان، طرز بیان اور نوعیت مضامین وہی ہے جو اس عہد کے دیگر شعراے اردو مرزا جانجانان، شاہ آبرو، اور خواجہ درد وغیرہ کی ہے، فرماتے ہین:

خیال دل کو ہی اُس گل کی آشنائی کا — نہین صبا کو ہی دعوی جہان رسائی کا

کہین وہ کثرتِ عشاق سے گھمنڈ مین آ — ڈرون ہون مین کہ دعوی کرے خدائی کا

مجھے تو دکھ ہی تہا زاہد پر ایک نگاہ سے آج — غرور کیا ہوا وہ تیری پارسائی کا

جہان مین دل نہ لگانے کا یوہی بھر کوئی نام — بیان کرون مین اگر تیری بیوفائی کا

نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گذر گلی کا تری — رقیب کو مرے دعوی ہی بیحیائی کا

نہین خیال مین لاتے وہ سلطنت جم کی — غرور ہے جنہین در کی تری گدائی کا

جفا کے یار سے مست اشتیاق ابھر کے مُنھ — خیال کیجو کہین اور جبہ سائی کا

چھوڑ کر تجھکو ہمین غیر سے جو لاگ لگی — نہین مہندی یہ تیری تلوون سے ہی آگ لگی

دو بالا کہ مخموری عبث آنکھون کو ملتا ہے — پیالہ اور بھی پی پی سجن یہ دور چلتا ہے

فنِ منطق کی مختصر تاریخ

(۳)

قطب شیرازی

قطب الدین شیرازی بھی اپنے عہد کے بہت بڑے منطقی تھے، حکمۃ العین کا جو نجم الدین کاتبی (تلمیذ طوسی) کی تصنیف تھی، نہایت معرکۃ الآرا حاشیہ لکھا، شمس الدین محمد بن مبارک شاہ بخاری عرف میرک نے جب حکمۃ العین کی شرح کی تو اس حاشیہ سے بھی فایدہ اٹھایا[۱]، حکمۃ الاشراق جو شہاب الدین مقتول کی مشہور تصنیف ہے، اسکی بھی نہایت مفید اور مختصر شرح لکھی، بعض لوگون نے اسپر یہ اعتراض کیا کہ اس مین بعض باتین شرع کے خلاف ہین، لیکن تطبیق و توفیق منطقیون کا خاص فن ہے، کیا ضرور ہے کہ جو چیز معترض کے نزدیک شرع کے موافق نہین، شارح کے نزدیک بھی مطابق نہو،

قاضی عضد

قطب الدین شیرازی کے بعد قاضی عضد الدین ایجی (المتوفی ۷۵۶ھ) نے منطق کی کافی خدمت کی، انکی ایک تصنیف جسکا نام مطالع ہے، نوین صدی تک ہندوستان مین منطق کی انتہائی کتاب سمجھی گئی ہے، کتاب کی شان و عظمت اس سے ظاہر ہو کہ ابتدا ہی سے لوگ اسکی شرحین اور حاشیے لکھنے پر آمادہ ہوئے، چنانچہ سید شریف جرجانی نے کہ نوین صدی مین اس فن مین یکتائے روزگار تھے، اسکا حاشیہ لکھا تھا[۲]،

قطب رازی

علامہ قطب الدین رازی (المتوفی ۷۶۶ھ) کے کارنامے منطق مین اظہر من الشمس ہین، انکی بہت سی کتابین درس مین داخل ہین، منجملہ انکے شمسیہ کی وہ شرح بھی ہے جسکو قطبی کے نام سے شہرت حاصل ہے اور طلبا مین اتبک متداول ہے[۳]،

[۱] کشف الظنون صفحہ ۵۰۴ جلد ۱، [۲] ایضاً صفحہ ۴۰۳ جلد ۲، [۳] ایضاً صفحہ ۶۹ جلد ۲،

تفتازانی

سعد الدین تفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ نے تہذیب المنطق والکلام کے ذریعہ سے اس فن پر خاص احسان کیا، علامۂ موصوف کو منطق سے جو قدرتی مناسبت تھی، اسکا یہ ادنی کرشمہ تھا، کہ کتاب متن ہونے کے باوجود نہایت مقبول ہوئی، صاحب کشف الظنون لکھتے ہین[۱]،

ولما کان منطقہ احسن ما صنف فیہ اشتہر وانتشر فی الآفاق، — چونکہ منطق کی تمام کتابون سے بہتر تھی، اس لئے آفاق عالم مین پھیل گئی،

اس کتاب کے دو حصے تھے، پہلے مین منطق اور دوسرے مین علم کلام کا بیان تھا،

سید شریف

نوین صدی ہجری مین سید شریف جرجانی پیدا ہوئے جنھون نے اس فن کو اسقدر پھیلایا کہ مرجع عام بن گئے، اور آج بھی ہندوستان اور ایران کے اکثر منطقیون کا سلسلہ انہین کی ذات پر منتہی ہوتا ہے، سید شریف اگرچہ زبان اور قلم دونون کے مالک تھے لیکن زبان زیادہ فصیح پائی تھی، یہی وجہ ہے کہ شاگردون کا حلقہ نہایت وسیع ہوا، مگر تصنیفات اسقدر وسعت نہ پاسکین، سید شریف کی منطقی تصنیفات حسب ذیل ہین،

(۱) حواشی محاکمات، (۲) حواشی شرح حکمۃ العین، (۳) تصریف، فارسی مین ہے، (۴) ایک دو رسالہ، یہ بھی فارسی مین ہے، (۵) حاشیہ شرح مطالع الانوار، یہ ایام طالبعلمی مین لکھا تھا جب وہ مبارکشاہ منطقی سے شرح مطالع پڑھتے تھے، ان کتابون کو اس زمانہ مین بیحد مقبولیت ہوئی اور متعدد شروح اور حاشیے ان پر لکھے گئے،

مولانا لطفی

مولانا لطفی بھی اس صدی کے آخر مین بڑے پایہ کے شخص گذرے ہین انھون نے مطالع الانوار کا نہایت نفیس حاشیہ لکھا تھا، صاحب کشف الظنون لکھتے ہین[۲]:

اوردفیہا فوائد وتحقیقات خلت عنہا الکتب — یعنی اسمین انھون نے ایسی نادر تحقیقات پیش کی ہین جس سے قدما کی

[۱] کشف الظنون صفحہ ۱۰۲ جلد ۱، [۲] ایضاً صفحہ ۵۳۴ جلد ۲،

الاقد بين ومن طالعها يعرف قدر فضل مصنفها، — کتابین خالی ہین اور اسکو پڑھکر مصنف کے فضل وکمال کا اندازہ ہوتا ہے،

محقق دوانی

دسوین صدی مین اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا ہر صوبہ منطق کی صدائے بازگشت سے گونج رہا تھا، تاہم دوانی سے زیادہ کوئی شخص منطق کا ماہر نہ تھا، دوانی کا نام جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی ہے، اپنے والد سے تعلیم پائی جو سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید تھے، دوانی کو فنون حکمت مین جو تبحّر اور کمال حاصل ہوا، اسکی نظیر سے تاریخ کے ہزارون صفحے خالی ہین، مولانا ابو الخیر فرماتے ہین[1]:

واعلم ان من النظر رتبة تناظر طريق التصفية	معلوم ہونا چاہیئے کہ نظر کا بھی ایک درجہ ہے جو تصفیۂ قلب کے
ويقرب حدها من حدها وهو طريق الذوق	قریب قریب ہوتا ہے اور جو دونون کی حدین متصل کر دیتا ہے
ويسمونه الحكمة الذوقية وممن وصل الى	اسکو لوگ حکمۂ ذوقیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین، اس درجہ
هذه الرتبة فى السلف السهروردى ……	سلف مین شہاب الدین سہروردی اور متاخرین مین
وفى المتاخرين الفاضل الكامل مولانا شمس الدين الفنارى	مولانا شمس الدین فناری اور مولانا جلال الدین دوانی
فى الروم ومولانا جلال الدين الدوانى فى بلاد العجم،	پہنچ سکے ہین،

دوانی نے مختلف کتابون کے حاشیے اور شرحین لکھین جو تقریبًا بہت سے علوم پر حاوی ہیتں، بعض کتابون مین صرف مباحث تھے، چنانچہ طبقات الجلالیہ اسی طرز پر تھی، جو میر صدر الدین شیرازی کے جواب مین تھی،

اس صدی کے وسط اور اخیر مین حبیب اللہ مرزا جان (المتوفی سنہ ۹۹۴ھ) نے جو شیراز کے باشندے تھے اور دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے، نہایت شہرت حاصل کی، اور بہت سی شرحین

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۴۴، جلد ۱

اور حاشیے لکھے، مرزا جان کے علاوہ اس زمانہ مین منطقیون کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جن مین مشاہیر کی فہرست یہ ہے، مولی عبد الکریم، فصیح الدین محمد نظامی، شیخ محمد بدخشی، شجاع الدین الیاس رومی، لطف اللہ بن الیاس رومی، علاء الدین علی بن محمد المعروف بہ مصنفک فارسی، میر مرتضی شیرازی، احمد بن سلیمان ابن کمال پاشا، محمود بن محمود المغلوی الوفائی، شیخ عبد الرحمن بن محمد صغیر، (سنہ ۹۴۱ھ مین الیساغوجی کو نظم کیا، اسلم المنورق انکی کتاب کا نام ہے) مولی مصلح الدین محمد بن صلاح لاری (منصور الحکماء کے شاگرد تھے) برہان الدین محمد بن محمد تقی (دور و تسلسل پر ایک رسالہ لکھا)

دسوین صدی مین منطق کا سبزہ زار جسدرجہ پر نغمہ تھا، گیارہوین صدی مین اسی طرح سکوت طاری رہا، مرغان چمن ایک ایک کرکے خاموش ہو گئے، صرف ابراہیم بن حسام (المتوفی سنہ ۱۰۱۶ھ) کی موزون المیزان (الیساغوجی کی نظم) نے فضا مین کسی قدر جنبش پیدا کی لیکن پھر سکون عود کر آیا، خاک ایران کے کچھ ذرے ہندوستان پہنچ چکے تھے، فصل بہار آنے پر انمین ایک نئی روح پیدا ہوئی جس سے طائران خوش الحان پھر قفس وارجی اُٹھے،

ہندوستان اور فن منطق

بدقسمتی سے ہندوستان مین علوم حکمیہ نے اسوقت رواج پایا جب ان پر انحطاط کا دور طاری ہو چکا تھا، اور لوگون سے نقد و جرح اور تحقیق و تفتیش کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی، یہ وقت اگرچہ ابن سینا کے بعد ہی آگیا تھا، تاہم امام رازی اور شیخ الاشراق وغیرہ کی وجہ سے کسی قدر جان باقی تھی، ان لوگون کے بعد پھر میدان صاف تھا، جس طرح بنو امیہ تاج واورنگ کے مالک ہوکر خلیفۂ رسول اللہ تھے، حریم منطق کا ہر شاہد بے نقاب ارسطو کا قائم مقام تھا،

ہمارے ملک مین تاریخ منطق کی ابتدا ساتوین صدی سے ہوتی ہے، جس زمانہ مین اندر پرست فتح ہوکر دہلی بنا اور مسلمان آباد ہوئے تو انکے ساتھ غیر ملکون کے جہان اور تحفے تھے

وہان ایک یہ بھی تھا، جسکو انھون نے ارسطو کے بہترین خلف بن کر یونان کی کوٹھریون سے حاصل کیا تھا، غیاث الدین بلبن کے عہد مین علماء ہر طرف سے دہلی مین آآکر جمع ہو گئے تھے، ان مین علامہ شمس الدین قوشجی بھی تھے، جنکی بدولت منطق کا نام گوش آشنائے ہند ہوا، چونکہ یہ اس فن کا ابتدائی دور تھا اسلئے محض شرح شمسیہ کی تعلیم منتہائے قابلیت سمجھی جاتی تھی، سکندر لودی کے زمانہ مین ہندوستان کے اور مقامات مین بھی اس فن کی روشنی پھیل چکی تھی، چنانچہ ملتان بھی انھین مین تھا، یہان مولانا عبد اللہ المتوفی سنہ ۹۲۲ھ اور شیخ عزیز اللہ کے بدولت اس فن کا خوب چرچا تھا، سنہ ۹۰۰ھ کے آخر مین جب ملتان مین شورش ہوئی تو یہ دونون بزرگ ہجرت کرکے ہندوستان آئے، شیخ عبد اللہ دہلی مین اور شیخ عزیز اللہ سنبھل مین مقیم ہوے، بادشاہ نے کچھ ذوق علمی اور کچھ قدردانی کے خیال سے شیخ عبد اللہ کے حلقۂ درس مین خود شرکت کی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف شیخ عبد اللہ کا شہرہ ہوگیا، اور طلبا دور دراز مقامات سے جوق در جوق پہنچنے لگے، اب شیخ موصوف کو اصلاح تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھون نے قاضی عضد کی مطالع درس مین داخل کی، ملا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ مین لکھتے ہین:

"از جملہ علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبد اللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبھل بودند، واین ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیار رواج دادند، وقبل ازین بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبود۔"

اسی زمانہ مین شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے جو محقق دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے، متاخرین کی تصنیفات ہندوستان مین رائج کین، شیخ موصوف کا دریائے فیض گجرات سے روان ہوکر ہندوستان کے درمیانی حصون تک پہونچا تھا، چنانچہ قاضی ضیاء الدین جو قصبہ نیوتنی کے باشندے تھے، انہین متلاطم امواج کی ایک لہر تھے،

شہنشاہ اکبر اعظم کے عہد مین جب ہندوستان دنیائے علم کا عالم اصغر بنا تو منطق کی درسگاہ بھی یونان کی اکاڈیمی سے ہمسری کرنے لگی، عضد الملک شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی منطق کے قالب مین ایک تازہ رُوح پیدا ہوئی اور اسکا نصاب ترقی کرکے بہت سی کتابون پر حاوی ہوگیا، چنانچہ اس عہد مین محقق دوانی، میر صدر الدین، میر غیاث الدین منصور، اور مرزا جان شیرازی کی تصنیفات اچھی طرح رواج پائین، مولانا غلام علی آزاد مآثر الکرام مین لکھتے ہین،

"۔۔۔ واز ان عہد معقولات را رواجے دیگر پیدا شد۔"

ملا محمود

گیارہوین صدی (عہد شاہجہان و عالمگیر) مین اس فن نے جو ترقی کی تھی اُس کا اثر ملا محمود جونپوری کی شکل مین نمایان ہوا، ملا صاحب کو علوم حکمت مین جو درک تھا اسکا یہ عالم تھا کہ انھون نے تمام عمر مین کبھی کسی قول سے رجوع نہین کیا، سبحۃ المرجان مین مولانا آزاد نے جہان انکا تذکرہ لکھا ہے، یہ تحریر کیا ہے،

ولم یظہر بالہند مثلہ الا الشیخ احمد السرہندی | یعنی ہندوستان مین انکے برابر شیخ احمد سرہندی کے سوا کوئی نہ اٹھا

ملا صاحب نے سنہ ۱۰۶۲ھ مین انتقال کیا اور حسب ذیل تصنیفات چھوڑین، رسالۃ فی الکلی والجزئی، رسالۃ فی تحقیق اجتماع النقیضین وارتفاعہما، ان کتابون کا تذکرہ اگرچہ آزاد نے نہین کیا ہے، لیکن مولوی عبد الحی صاحب انکو ملا صاحب کی تصنیف بتلاتے ہین اور کہتے ہین کہ آزاد کو انکی اطلاع نہ تھی،

اسی عہد مین میر زاہد پیدا ہوے جو گویا درس نظامیہ کے بانی تھے، قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلۂ تعلیم انہین پر منتہی ہوتا ہے،

اسی زمانہ مین مفتی عبد السلام منطق کے نہایت جید عالم تھے، اور دار الامارت لاہور مین

درس دیتے تھے، مولانا عبدالسلام دیوہ اور شیخ محب اللہ الہ آبادی انہین کے تلمذ سے شرف یاب تھے، مولانا عبدالسلام نے دیوہ مین منطق کو جو رونق بخشی، اسکی جگمگاہٹ خاک ہند کے ہر ذرہ کو اپنی طرف کہینچ لیتی تھی، مولانا قطب الدین سہالوی نے اسی درسگاہ مین تعلیم پائی اور بہت سی کتابین تصنیف کین جنمین سے شرح حکمۃ العین کا حاشیہ مولانا بحرالعلوم کے کتبخانہ مین تھا، چنانچہ مولوی عبدالاعلیٰ نے رسالۂ قطبیہ مین اسکی تشریح کی ہے،

ملا نظام الدین

مولانا قطب الدین کا وجود اگرچہ علم وفن کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ اور اپنی بقا کا آپ ضامن تھا، لیکن قدرت نے انکی بقا کے لئے کچھ اور سامان بہم پہونچا لئے تھے، چنانچہ بارہوین صدی مین انکے صاحبزادے مولانا نظام الدین نے علمی دنیا پر وہ عظیم الشان احسانات کئے جنکو اسلامی ہندوستان کا متخیلہ کبھی فراموش نہین کر سکتا، مولانا نے تصنیفات کے ساتھ ساتھ اصلاح تعلیم کا جو بیڑا اٹھایا تھا اسکا سب سے درخشان منظر وہ نصاب درس ہے جو آج امتداد زمانہ کے باوجود اپنی اسی آب وتاب اور اسی عظمت وجلالت پر قائم ہے، اور تمام علما کا خضر راہ ہے،

مولانا نے منطق مین جو کتابین اضافہ کین وہ حسب ذیل ہین، صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم،

تعلیم وتعلم کا جو سلسلہ مولانا سے قائم ہوا وہ تمام ہندوستان کا محور بنا، چنانچہ آج ہندوستان کے اکثر علمار علوم عقلیہ مین اسی خرمن کمال کے خوشہ چین ہین،

مولانا نظام الدین کے علاوہ ملا قطب الدین کے اور شاگرد بھی نامآور ہوئے، مولوی امان اللہ بنارسی، مولوی قطب الدین شمس آبادی، اور ملا محمد رضا، ان مین سے اخیر بزرگ ملا قطب الدین کے صاحبزادے بھی تھے، قطب الدین شمس آبادی آسمان علم وفضل کے قطب تھے انکے حلقہ سے بہار کا وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا جسکو دنیا محب اللہ کے نام سے پکارتی ہے،

ملا محب اللہ بہاری

مولانا محب اللہ بہاری کا نام تاریخ منطق مین ہمیشہ خصوصیت سے لیا جاتا ہے، منطق کا فن اگرچہ ہزارون برس پہلے سے موجود تھا، لیکن وہ اپنی اصلی سادگی اور بداوت پر تھا یعنی اس مین کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محب اللہ پہلے شخص ہین جنھون نے اس فن کا عام انداز بدلا اور اسمین فلسفہ کے مسائل ملائے، انکی تصنیفات مین سلم، اور مسلم اسی کوشش کا نتیجہ ہین، یہ کتابین جس درجہ کی ہین اسکا یہ حال ہے کہ آج ہمارے علمار کا تمامتر کمال انکے شروح وحواشی کے سمجھنے مین مضمر ہے، چنانچہ سلم کی تین شرحین درس مین داخل ہین،

یہ کتابین جس زمانہ مین تصنیف ہوئین، ملا نظام الدین زندہ تھے، انھون نے انکو درس نظامیہ مین شامل کیا، پھر ملا صاحب کے شاگردون نے اسکی شرحین لکہین اور اسمین فلسفہ کا اور اضافہ کیا، اور یہ سب کتابین منطق کا جزر بنین، ان کتابون کے مفید ہونے کا غیر ممالک کے علمار کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ کتاب التعلیم مین بدرالدین جلبی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن اسکے ساتھ ہی اس طرز سے اصل فن کو سخت نقصان پہنچا، یہی وجہ ہے کہ منطق کی پندرہ کتابین پڑھنے کے بعد بھی کسی کو منطق نہین آتی،

مولانا بحرالعلوم

ملا محب اللہ بہاری کے بعد فرنگی محل مین اس یگانۂ روزگار نے جنم لیا، جسکو بحرالعلوم کے لقب سے شہرت حاصل ہے، مولانا کا نام عبدالعلی تھا، ملا نظام الدین کے فرزند ارجمند تھے اور انہی کے تلمذ بھی انہین کے سامنے تہ کیا تھا، انکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت دقیق اور معرکۃ الآرا مسائل کو نہایت سہل اور آسان پیرایہ مین بیان کرتے ہین جس سے اس مسئلہ کا رگ وریشہ تک نظر آجاتا ہے، حالانکہ اکثر منطقیون کا دستور ہے کہ وہ بالعموم مسائل کو نہایت پیچیدہ طریقہ سے بیان کرتے ہین کہ سننے والیکو ایک معمّا معلوم ہو اور فن کی شوکت وعظمت برقرار رہے، اسی طرح انکی ایک خصوصیت یہ بھی ہے (اور شاید یہ امام رازی کے زمانہ کے بعد کسی منطقی کو میسر نہین) کہ وہ یعنی

طرف سے دعوی کرتے ہین، دلیل لاتے ہین، قدما، کی غلطیان نکالتے ہین اور متاخرین کی لغزشون کو سنبھالتے ہین، حالانکہ دور آخر کے منطقی صرف متقدمین کی مضامین کی تلخیص واختصار ہی پر قناعت کرتے تھے، شرح سلم اور حاشیہ میرزاہد جلالی سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہوجاتی ہے،

متاخرین لکھنؤ رتبۃً بحرالعلوم سے کم مگر نسبتًا برابر ملا کمال الدین سہالوی تھے، یہ ملا نظام الدین کے ارشد تلامذہ مین تھے، انہین سے وہ سلسلہ چلا جسمین ایک واسطہ کے بعد غلام یحیٰ بہاری جیسا فاضل پیدا ہوا جسکا حاشیہ نہایت معرکۃ الآرا خیال کیا جاتا ہے، اسی سلسلہ مین مولوی حمد اللہ صاحب سندیلوی بھی ہین، جنکی کتاب حمد اللہ عرب وعجم مین مقبول ہے، مولوی مبین شارح سلم اور مولوی محمد حسن صاحب ملا حسن بھی اسی گلستان کے برگ وبار ہین، مولوی برکت، مولوی باد اللہ، مولوی فضل امام، مولوی فضل حق، مولوی عبد الحق خیرابادی، مولوی عبد الحلیم اور مولوی عبد الحی صاحب بھی اسی سے متعلق ہین، مولوی عبد الحی صاحب کو جو غیر معمولی جودت وذہانت مبدء فیاض سے عطا ہوئی تھی اسکا ظہور علم وفن کی ہر شاخ مین تھا، چنانچہ وہ جس طرح دقیق سے دقیق مسائل کو اپنی کتابون مین حل کرتے ہین، انصاف یہ ہے کہ وہ آسان کام نہین، فن منطق پر انکے متعدد رسائل اور حواشی ہین اور اپنے باب مین نہایت بہتر ثابت ہوے ہین،

لیکن ان تمام بزرگون کے حاشیون اور شرحون مین محب اللہ بہاری کا رنگ موجود ہے، ملا حسن، حمد اللہ، اور قاضی مین منطق سے زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہین، جہل بسیط، جہل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج کیا ان مین ایک مسئلہ بھی ارسطو کی کتاب النص مین ہے ؟ ،

سعید انصاری

دار المصنفین، اعظم گڈھ

اسلامی یتیم خانے

از مولانا عبد السلام ندوی

اسلام کی تاریخ اگرچہ واقعات گوناگون کا مجموعہ ہے لیکن ان مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ جنگ وخونریزی کے واقعات ہین، اسلام کی تاریخ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے، جو غزوات وسرایا سے یکسر لبریز ہے، خلفاے راشدین کے زمانے مین بھی یہی سلسلہ جاری رہا، اور حضرت عثمانؓ کے زمانے سے تو اس پر مستزاد خانہ جنگیون کا ایک خطرناک سلسلہ قائم ہوا، جو غالبًا تاریخ اسلام کے ہر دور مین قائم رہا، یورپ نے اسلامی تاریخ کے اوراق اُلٹے تو اسکی نگاہ صرف اُنہین واقعات پر پڑی جو خونین حروف سے لکھے گئے ہین اس بنا پر اس نے اسلام کی تاریخ کا نام "قصائی کی دوکان" رکھا، جو قساوت قلب کا بدترین منظر دنیا کے سامنے پیش کرسکتی ہے، لیکن کیا درحقیقت مسلمانون کی سیزدہ صد سالہ تاریخ حرف محبت سے بالکل ناآشنا ہے، کیا اسکے خونین اوراق مین لطف ومحبت کی جھلک کہین نظر نہین آتی ؟

اسلام دنیا مین آیا تو اس نے اگرچہ فطرت انسانی کو بدل کر جنگ وخونریزی کا انسداد کلی نہین کیا، تاہم اسکی فطرت تمام دنیا سے الگ تھی، وہ ہمہ تن لطف تھا، ہمہ تن محبت تھا، ہمہ تن رحم تھا، اور ہمہ تن دلجوئی تھا، اسلئے اُس نے تمام واجب الرحم فرقون کی دستگیری کی، بے خانمان مسافر، کس مپرس بیوہ، فاقہ مست فقرا، بے مادر وپدر یتیم سبھی اسکے خوان کرم سے متمتع ہوے، اور ہر مصیبت زدہ شخص کے آنسو پوچھنے کے لئے اس نے اپنا دست شفقت بڑھایا، آج اسلام کی تاریخ مین خونین حروف کے نقش ونگار اگرچہ سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہین، تاہم

اسکا دامن ان قطرہاے اشک سے بھی خالی نہین ہے، اسلام کی منظم اور باقاعدہ سیاسی اور قومی تاریخ کا آغاز درحقیقت حضرت ابوبکر بلکہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک سے ہوتا ہی، اسلیے ہمکو انہین بزرگون کے زمانے مین تاریخ اسلام کا وہ گمشدہ صفحہ ڈھونڈھنا چاہیئے جو خونین حروف کے بجاے آنسوؤن کے متصل قطرون سے لکھا گیا ہے،

طبقات انسانی مین سب سے زیادہ قابل رحم بیوہ عورتون کا فرقہ ہے، لیکن زمانہ جاہلیت مین انکی بیچارگی کا اثر الٹا پڑتا تھا، اور لوگ خود ان پر اور انکی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ خاص طور پر انکی آرام و آسائش کا لحاظ رکھتے تھے، اور جاڑون کے موسم مین انکو کمل تقسیم فرماتے تھے[1]،

حضرت عمرؓ کے عہد مبارک مین نظام حکومت نے اور وسعت و باقاعدگی اختیار کی تو اُنھون نے تقریباً تمام واجب الرحم فرقون کی اعانت و امداد کا باقاعدہ انتظام کیا، شیر خوار لاوارث یعنی حرامی بچون کی رضاعت اور دیگر مصارف کے لئے وظائف مقرر کیے[2]، تمام غربا و مساکین کے روزینے جاری کیے، اور اس غرض سے عوالی مدینہ کے مزدورون کی مردم شماری کرائی، حضرت عثمان نے اسپر یہ اضافہ کیا کہ روزینہ کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے[3]، مسافرون کے لئے چوکیان اور سرائین بنوائین[4]، مہمان خانے قائم کیے[5]، اور بھولے بھٹکے مسافرون کے لئے متعدد اشخاص مقرر کیے جو انکو سیراب راستون سے لیجا کر انکے گھرون تک پہنچا آتے تھے[6]،

خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی عنان سلطنت بنوامیہ کے ہاتھ مین آئی، اور انھون نے اگرچہ اسکے جمہوری قالب کو شخصیت و استبداد کی شکل مین بدلدیا، تاہم لطف و کرم کی جو قابل

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱، [2] یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۱، [3] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۰، [4] ایضاً صفحہ ۶۰، [5] ایضاً صفحہ ۲۸۶، [6] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۶۱،

اتباع سنت خلافت راشدہ کے زمانہ مین قائم ہو چکی تھی، وہ اس زمانہ مین بھی قائم رہی بلکہ اسکو اور بھی وسعت و ترقی حاصل ہوئی، چنانچہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، مہمان خانہ عام قائم کیا، اندھون، غریبون اور جذامیون کے وظائف مقرر کیے، اور انکو دریوزہ گری سے حکماً روکدیا، اپاہج لوگون کی خدمت کے لئے اشخاص متعین کیے اور اندھون کی رہنمائی کے لئے قائد مقرر کیے، اس نے اس سلسلہ مین سب سے بڑا کام یہ کیا کہ یتیم بچون کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور انکو معلم و اتالیق کی سرپرستی مین دیا[1]،

اسلام کی تاریخ مین یہ پہلا یتیم خانہ تھا جو قائم ہوا لیکن اسکے بعد اسکا عام رواج ہوگیا، اور امرا، و سلاطین نے بکثرت یتیم خانے قائم کیے، تاہم چونکہ یہ یتیم خانے عموماً مسجدون، خانقاہون، زاویون، اور عام مدرسون مین بطور ایک ضمنی شاخ کے قائم ہوتے تھے، اسلئے ہمارے مورخین نے انکا کوئی الگ عنوان نہین قائم کیا، بلکہ انھی مسجدون، خانقاہون، زاویون اور مدرسون کے عنوانات مین، کہین کہین ان یتیم خانون کا ذکر بھی اس طرح ضمنی اور سرسری طور پر آجاتا ہے کہ اس سے انکی کوئی اہمیت اور مستقل حیثیت نہین قائم ہوتی، لیکن اب جبکہ استاد مرحوم نے اسلام کی تمدنی تاریخ کے ایک ایک خط و خال کو نمایان کر دیا ہے، اور اسلامی شفاخانون اسلامی کتب خانون، اور اسلامی مدرسون کے حالات لکھکر ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کی تاریخ صرف "قصائی کی دوکان" نہین، بلکہ علی رغم یورپ ایک خوانِ کرم تھی جس سے تمام دنیا متمتع ہوتی تھی، تو ان ذرہاے پریشان کو بھی ایک جگہ جمع کر دینا چاہیئے تاکہ اسلامی تمدن کا چہرہ دنیا کے سامنے چمک اُٹھے،

اسلامی ممالک مین اگرچہ ہر جگہ خانقاہین، زاویے، اور مدرسے قائم تھے، لیکن یتیم خانون کا

[1] یعقوبی مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۴۸ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۴ ذکر ولید،

پتہ زیادہ تر مصر مین چلتا ہے جنکے مختصر حالات حسب ذیل ہین،

(۱) مصر مین امیر سیف الدین جیبغا المظفری نے ایک خانقاہ قائم کی تھی، جسکے ذریعہ سے فقرار وصوفیہ کی پرورش وتربیت کے علاوہ رفاہ عام کے اور مختلف کام انجام پاتے تھے، اسمین دو حوض بنائے گئے تھے جن مین ایک جانورون کے لئے اور ایک جسمین آب شرین رہتا تھا، آدمیون کے لئے مخصوص تہا، اسی مین ایک یتیم خانہ بھی تہا جسمین یتیمون کو قرآن مجید پڑہایا اور لکھنا سکھایا جاتا تھا اور اُنکے خورد ونوش و دیگر ضروریات کا سامان کیا جاتا تھا[۵۰]

(۲) ایک دوسرے امیر یونس النوروزی الدوادار نے ایک عظیم الشان سرائے تعمیر کروائی، اور اسکے پہلو مین ایک خانقاہ قائم کی جسمین ایک یتیم خانہ بھی تھا جسمین یتیمون کو قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی،[۵۱]

(۳) شاہ منصور جب اپنی امارت کے زمانہ مین رومیون سے مصروف پیکار رہتا تو اُس کو دمشق مین قولنج کا دورہ ہوا، اس موقع پر اطبار نے اسکے لئے جو دوائین تجویز کین وہ نور الدین شہید کے شفاخانے سے آئین، منصور نے صحت کے بعد اس شفاخانہ کا معائنہ کیا جسکا اُسپر یہ اثر پڑا کہ اس نے نذر کرلی کہ اگر خدا اسکو بادشاہ بنائیگا تو وہ بھی ایک شفاخانہ قائم کریگا، چنانچہ جب یہ مبارک زمانہ آیا تو اس نے ایک عظیم الشان شفاخانہ قائم کیا جو حسن انتظام مین کسی طرح اس زمانہ کے بڑے سے بڑے شفاخانہ سے کم نہ تھا، اس شفاخانہ کے سلسلے مین ایک قبہ ایک مدرسہ اور ایک یتیم خانہ بھی تھا، اور ان تمام چیزون کے مصارف کے لئے اُس نے دس لاکھ کی جائداد وقف کی تھی، اور ہر چیز کے الگ الگ مصارف مقرر کئے تھے، یتیم خانہ مین دو معلم تھے جو یتیمون کو درس دیتے تھے، اور ہر یتیم کو علاوہ روزانہ خوراک کے جاڑے اور گرمی مین

[۵۰] مقریزی جلد۲ صفحہ ۴۲۱، [۵۱] ایضاً صفحہ ۴۲۶،

کپڑے بھی ملتے تھے،[۵۲]

(۴) امیر سابق الدین مثقال الانوکی نے ایک مدرسہ قائم کیا، جسمین فقہ شافعی کا درس دیا جاتا تہا، اسی مدرسہ مین ایک کتبخانہ، اور ایک یتیم خانہ بھی تھا،[۵۳]

(۵) امیر سیف الدین استبغا نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تہا جو فقہاے حنفیہ کے لئے مخصوص تہا، اس مدرسہ مین اس نے سبیل کا ایک حوض، ایک سقایہ اور ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا تہا،[۵۴]

(۶) امیر شمس الدین قرا سنقر المنصوری نے ۷۰۰ھ مین ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جسکے سامنے ایک مسجد اور یتیم خانہ بھی تہا جسمین یتیمون کو صرف قرآن مجید پڑہایا جاتا تہا،[۵۵]

(۷) ایک فیاض خاتون الست الجلیلۃ الکبری خوندتترالحجازیہ نے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جسکا نام حجازیہ تھا، اس مدرسہ مین فقہار مالکیہ اور فقہار شافعیہ دونون کو تعلیم وتعلم کا موقع حاصل تھا، اور مدرسہ مین ایک تنخواہ دار امام ملازم تھا جو پنجوقتہ نماز پڑہاتا تھا، اسی مدرسہ مین ایک کتب خانہ اور مدرسہ کے متصل ایک یتیم خانہ بھی تھا جسمین یتیم بچون کو قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی تھی اور انکو روزانہ میدہ کی پانچ روٹیان اور چند پیسے اور سال مین گرمی اور جاڑے کے کپڑے ملتے تھے،[۵۶]

(۸) شاہ ظاہر بیبرس البندقداری نے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جسمین مختلف ہال تھے، اور ہر ہال مین الگ الگ علوم کی تعلیم ہوتی تھی، کسی مین فقہار حنفیہ، کسی مین فقہار شافعیہ درس دیتے تھے، اور کوئی ہال اہل حدیث کے لئے مخصوص تھا، اس مدرسہ مین ایک عظیم الشان کتبخانہ بھی تہا جو تمام علوم وفنون کی امہات کتب پر مشتمل تہا اور مدرسہ کے متصل ایک یتیم خانہ بھی تہا جسمین یتیم بچون کو قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی تھی اور انکا ماہوار یا روزانہ وظیفہ مقرر تہا اور سال مین کپڑا بھی ملتا تہا،[۵۷]

[۵۲] مقریزی جلد۲ صفحہ ۴۰۶، ۴۰۷، [۵۳] ایضاً جلد۲ صفحہ ۳۹۴، [۵۴] ایضاً صفحہ ۳۹۱، [۵۵] ایضاً صفحہ ۳۸۸، [۵۶] ایضاً صفحہ ۳۸۲، [۵۷] ایضاً صفحہ ۳۷۹،

(۹) قاضی فاضل عبدالرحیم بن علی البیسانی نے اپنے مکان کے متصل ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا، جس پر ہرفن کی ایک لاکھ کتابین وقف کی تھین، اور اس مدرسہ کے متصل یتیمون کے لئے ایک مخصوص مکتب بھی قائم کیا تھا،[1]

مصر مین سلطان احمد بن طولون نے اس قسم کی فیاضیون مین سب سے زیادہ نام پیدا کیا، علامہ ابن جبیر اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین،

وما فیہا جامع من الجوامع ولا مسجد من المساجد ولا روضة من الروضات المبنية على القبور ولا حرس من المحارس ولا مدرسة من المدارس الا وفضل السلطان يعم جميع من يأوي اليها

مصر مین کوئی جامع مسجد، کوئی عام مسجد، کوئی روضہ کوئی حفاظت گاہ اور کوئی مدرسہ ایسا نہین ہے جسکے متعلقین پر بادشاہ کے احسانات نہون،

ابن طولون کی ان فیاضیون کی ایک یادگار یتیم خانے بھی ہین، اور امرا یتیم خانے قائم کرتے تھے، تو وہ کسی مدرسہ کے ساتھ ملحق ہوتے تھے، اسلئے انکی کوئی مستقل حیثیت نہین قائم ہوتی تھی، لیکن ابن طولون نے مستقل طور پر بکثرت یتیم خانے قائم کئے اور انکے طلبا و معلمین کیلئے کافی وظائف مقرر کئے،[2]

مصر مین اس قسم کی فیاضیون کا ذوق اسقدر ترقی کر گیا تھا کہ یتیم خانون کے علاوہ بہت سے بیوہ خانے بھی قائم ہو گئے تھے، جنکی عمارات ازواج مطہرات کے مکانات کے نمونہ پر تیار کیگئی تھی، اور ان مین بہت سی بیوہ عورتین عبادت گذاری مین اپنی زندگی بسر کرتی تھین، اور انکو وظائف و نذرانے ملتے تھے،[3]

لیکن اس تفصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ممالک اسلامیہ کے اور شہر یتیم خانون سے خالی تھے، دمشق جو خلفاے بنو امیہ کا تختگاہ تھا، اس مین تمام علمی فیاضیون کی یادگار رہ گئے

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۳۶۶، [2] رحلۃ ابن جبیر مطبوعہ یورپ صفحہ ۵۲، [3] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۵۴،

ساتھ ایک عظیم الشان یتیم خانہ بھی تھا، جسپر ایک بہت بڑی جائداد وقف تھی، اور طلبا و معلمین کے خوراک و لباس کا تمامتر دارومدار اسی وقف پر تھا، چنانچہ علامہ ابن جبیر اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین،

وللايتام من الصبيان محضرة كبيرة بالبلد لها وقف كبير يأخذ منه المعلم لهم ما يقوم به وينفق منه على الصبيان ما يقوم بهم ويكسوهم[1]

شہر مین یتیم بچون کے لئے ایک بہت بڑا مکتب ہے جس پر بہت بڑا وقف ہے، معلم اس سے اپنی ضروریات کے لئے لیتا ہے اور بقیہ لڑکون کی ضروریات و لباس پر صرف کرتا ہے،

ان تمام تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانون نے اپنی قوم کے بیکس افراد کی دستگیری مین دنیا کی کسی مہذب قوم سے کم حصہ لیا، اور انھون نے اپنے جاہ و جلال کی نمائش صرف میدان جنگ مین کی، اور تاریخ کے بقیہ اوراق انکے تمام اخلاقی و تمدنی کارنامون سے خالی ہین ؟

[1] سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۲۷۲،

مباحث حاضرہ

صحافت یا جرنلزم

یعنی

اخبار نویسی

از حاجی معین الدین ندوی، رفیق دار المصنفین

تہذیب جدید نے جن نئے علوم وفنون کا اضافہ کردیا ہے، ان مین صحافت یعنی اخبار نویسی کا فن اپنی اہمیت کے لحاظ سے مخصوص درجہ رکھتا ہے، درحقیقت اس زمانہ مین یہ ایک ایسی زندہ طاقت ہے جسکے آگے مغرور اور سرافراز گردنین بھی عجز وانکسار کے ساتھ جھک جاتی ہین، زیادہ زمانہ نہین گذرا کہ جنرل اسمٹس نے ایک دعوت کے موقع پر انگلستان کے اخباری نمایندون کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ "مین اپنی تمام عمر مین کسی چیز سے خوفزدہ نہین ہوا مگر پریس سے ہمیشہ کانپتا رہا ہون، آج آپ لوگون (اخبار نویسون) کو یہان دیکھکر مین خیال کرتا ہون کہ مین اپنے آقاؤن کے سامنے حاضر ہون، بیچارے پریشان خاطر مدبرین آپکو اپنا اصلی حاکم سمجھتے ہین، وہ نہ پارلیمنٹ سے ڈرتے ہین، نہ اپنے ووٹرون سے، لیکن آپکی گردش قلم انکو ہمیشہ خائف رکھتی ہے، کیونکہ اس ملک مین بہت بڑی طاقت آپ حضرات کے ہاتھ مین ہے"۔

درحقیقت اس زمانہ مین ملکون اور قومون کی تمام مادی اور اخلاقی ترقیون کا سب سے روشن آئینہ انکے مطابع اور اخبارات ہین، یہ قومون کی شکست وریخت اور عروج وزوال سے گہرا تعلق رکھتے ہین، اور اگر ایک کامل الفن طبیب اشخاص یا افراد کو زندہ رہنے مین مدد دیسکتا ہے تو اخبارات قومون اور ملکون مین ترقی کی روح پھونک سکتے ہین اور انکو ورطۂ ہلاکت سے بچا سکتے ہین، تمام مہذب وترقی یافتہ ممالک کی تاریخ اس دعوی پر نہایت بین شہادت پیش کرسکتی ہے، کیونکہ وہ صحافت یا جرنلزم کی شاندار فتوحات وقابل قدر خدمات سے لبریز ہے،

یورپ اور امریکہ مین اخبار نویسی کو غیر معمولی عظمت واہمیت حاصل ہے، اخبارات قومی زندگی کے تمام شعبون کے نگران اور محافظ خیال کئے جاتے ہین، وہ ملکی وملی ضروریات کی تکمیل کے لئے عظیم الشان تجویزین تیار کرتے ہین، اور ملک کے ارباب فہم کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہین، اور حکمران طاقت کو ان خیالات کے جزر ومد سے آگاہ کرتے رہتے ہین، رائے عامہ ہمیشہ انکے اختیار مین ہوتی ہے، اور وہ صحیح معنون مین جمہور کی زبان خیال کئے جاتے ہین، اس زبان سے جو صدا بلند ہوتی ہے وہ ایوانہائے حکومت مین تزلزل اور فوجی حکام کے خیمہ وخرگاہ مین ہلچل برپا کردیتی ہے، انگلینڈ کے وزیر اعظم سے دنیا کی بہت سی سلطنتین ڈرتی ہین لیکن وہ خود ایک معمولی ایڈیٹر کی جنبش قلم سے خائف رہتا ہے، امریکہ اور فرانس کے پریسیڈنٹ بہت بڑی عظمت کے مالک ہین، لیکن رجال صحافت کی مخالفت صرف چند گھنٹون مین انکو اس سے محروم کرسکتی ہے، اور یہ تو بالکل معمولی بات ہے کہ ایک لیڈر یا حاکم جو کل تک انتہائے عروج پر تھا، وہ ایک اخبار نویس کی جنبش قلم سے آج دفعتہً حضیض مذلت مین گرکر ہمیشہ کے لئے گمنام ہوجاتا ہے،

صحافت کی تاریخ ارتقاء

لیکن اخبار نویسی کی عظمت وقوت وہبی نہین ہے اور نہ فوری اسباب کا نتیجہ ہے بلکہ دوسری اشیاے عالم کی طرح اسکو ایک طویل ارتقائی تغیر وتبدل اور تدریجی دور جد وجہد سے گذرنا پڑا ہے،

سب سے پہلے اخبار نویسی کی ابتدا چین سے ہوئی، بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ ۹۱۱ ق م مین دار السلطنت پیکن سے ایک ماہانہ اخبار شائع ہوتا تھا، اسکا نام "ٹسنگ پاؤ" Tsaing Pao تھا

انگریز مورخین اسکو بیکنگ گزٹ لکھتے ہین کیونکہ یہ صرف موقت الشیوع شاہی فرامین اور اطلاعنامون کے لئے مخصوص تھا،

جولیس سیزر کے عہد مین رومن امپائر کی طرف سے بھی ایک روزنامہ شائع ہوتا تھا اسکا نام (Acta Diurna) "اعمال یومیہ" تھا، اسمین زیادہ تر واقعات جنگ، مذہبی مباحث اور سرکاری اطلاعین ہوتی تھین، اس اخبار کے لئے رومن حکومت نے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا، اور اسکی کا پیان نقل کراکے دار الحکومت کے علاوہ بعید کے اضلاع اور صوبجات مین تقسیم کی جاتی تھین،

مسلمانون کے دورِ عروج مین بھی یہ صحافت موجود تھی، اور مختلف حکومتون مین اسکے مختلف نام اور طریقۂ انتظام تھے، سب سے پہلے امیر معاویہ نے تمام حدود مملکت مین خبرون کی بہم رسانی کے لئے چوکیان مقرر کین جو روزانہ تمام ملک کی خبرین بہم پہنچاتی تھین، اسکا نام انکے ہان برید تھا، عباسیہ نے اس صیغہ کو اور زیادہ ترقی دی، مصر کے فاطمیئن اپنے احکام شاہی کو سجل کہتے تھے، آجکل کی زبان مین اسکو سرکاری گزٹ کہنا چاہیئے، یہ سجلات شاہی ایوان حکومت سے نکل کر جمعہ کے روز جامع مصر مین لوگون کو پڑھکر سنائے جاتے تھے، اور پھر اسکی نقلین تمام ملک مین بھیجدی جاتی تھین، مقریزی نے جا بجا انکا تذکرہ کیا ہے،

تیموریون نے ہندوستان مین اسی صیغہ کو واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کے نام سے قائم کیا، تمام ملک مین پرچہ نویس اور واقعہ نگار مختلف صورتون اور شکلون مین پھرا کرتے تھے اور جو واقعہ معلوم ہوتا ایک پرچہ پر لکھکر بادشاہ کے حضور مین بھیجے جاتے، عالمگیر کے رقعات مین ان پرچہ نویسون کی خبر رسانی اور اطلاع کے ذرائع پڑھکر حیرت ہوتی ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صحافت یا اخبار نویسی نہ تھی، سب سے بڑا فرق ان دونون مین یہ ہے کہ

قدیم زمانہ مین اس قسم کی جو چیزین تھین وہ شاہی اور حاکم وقت کی طرف سے ہوتین، اور موجودہ اخبار نویسی رعایا اور جمہور کی طرف سے ہے،

یہ صحافت یا اخبار نویسی کا ایک نہایت ہی ابتدائی خاکہ تھا، موجودہ اخبار نویسی کی ابتدا سولہوین صدی عیسوی سے سمجھنا چاہیئے کیونکہ پریس کی ایجاد کا یہی زمانہ ہے، اور درحقیقت اسی زمانہ سے دنیاے علم و عمل مین ایک عظیم الشان دور انقلاب شروع ہوتا ہے،

اس دور جدید کا سب سے پہلا اخبار گزیٹا (Gazetta) ہے، یہ ۱۵۳۶ء مین جرمنی کے افق سے طلوع ہوا، گزیٹا ایک سکہ کا نام تھا، چونکہ یہ اخبار اسی قیمت مین فروخت ہوتا تھا، اسلئے اسکا یہی نام رکھا گیا، اسکے بعد ۱۶۲۲ء مین انگلستان اور ۱۶۳۱ء مین فرانس سے اخبارات نکلنے شروع ہوئے پھر رفتہ رفتہ تمام یورپ مین اسکی ہوا پھیل گئی،

انگلستان مین اولاً صحافت یا اخبار نویسی نہایت ذلیل پیشہ خیال کیا جاتا تھا، شرفا اور اعیان ملک اخبار مین کچھ لکھنا یا شائع کرانا عار و ننگ خیال کرتے تھے اور صحافی یا اخبار نویس ہونا ایک ایسا دھبہ تھا جس سے ہر کس و ناکس اپنا دامن بچاتا تھا، لیکن ۱۶۴۳ء مین ایک اخبار نے افق صحافت پر چمک کر دفعتہً تمام تاریکیان دور کردین، طبقہ خواص و ارباب حکومت مین نفرت و حقارت کی بجاے رجال صحافت کی عظمت و وقعت پیدا ہوگئی، اور شاہی فرمان نے اسکے ایڈیٹر کو یونیورسٹی مین فلسفہ کی پروفیسری کا معزز عہدہ عطا کیا، اس اعزاز نے یکایک اسطرف لوگون کی توجہ مبذول کردی، یہانتک کہ پھر اسی زمانہ مین لارڈ ڈربی وزیر داخلہ اور ڈاکٹر پیرٹلین جیسے اکابر و معززین نے اخبار نویسی کو اپنا دلچسپ مشغلہ قرار دیا،

یورپ مین صحافت کا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوام مین زندگی و زندہ دلی پیدا کردی، انکو حصول آزادی، مطالبۂ اصلاح اور استبداد کی مقاومت پر ابھار دیا، فرانس مین

آزادی وجمہوریت کے لئے جو مسلسل معرکے پیش آے اور انگلینڈ مین کرامویل نے شاہی استبداد کے خلاف جو علم بلند کیا، اسمین اخبار نویسون کے قلم نے فدائیان قوم کے تیغ وسنان سے زیادہ کام کیا تھا،

انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانہ مین پریس اور اخبارات کو حریت، مساوات، اور مطالبۂ اصلاح کی حمایت مین جاہ پسند ارباب حکومت کے ہاتھون سخت نقصان اٹھانا پڑا، اکثر اخبارات بند کردیئے گئے اور بہتون کی آزادی تحریر سلب ہوگئی، لیکن دو اخبار پبلک اڈوٹیزر اور پولیٹکل رلیسرچ ہجوم آلام ومصائب کے باوجود آخر وقت تک جمہور کی حمایت سے باز نہ آئے، یہ دونون کرامویل پارٹی کے ارگن خیال کئے جاتے تھے، موجودہ زمانہ کا لندن گزٹ درحقیقت انہی دونون کی متحدہ صورت ہے،

گو استبداد وحریت کی باہمی آویزش نے تمام یورپ مین خون کی ندیان بہادین، اور مسلسل خانہ جنگیون نے بہت سے گھر ویران کردیئے، تاہم اس نے آیندہ کے لئے میدان عمل صاف کردیا، ابھرنے والی طاقتون کے سامنے سے موانع وعوائق دور ہوگئے اور اقوام یورپ کا ہر شعبۂ حیات ایک نئی روح اور نئے امنگ کے ساتھ نشو ونما پانے لگا، اس بنا پر قدرۃً دنیا کے صحافت مین بھی حیرت انگیز ترقی رونما ہوئی، اور میدان عمل کے ساتھ ساتھ صحافت کا دائرہ بھی پھیلتا گیا یہانتک کہ تقسیم کار کے اصول پر ہر شعبہ کے لئے الگ الگ اخبارات شائع ہونے لگے اور ہر ایک نے اپنا حلقۂ اثر مخصوص کرلیا،

انگلستان کی اخبار نویسی

انگلستان اپنی وسعت حکومت، کثرت مستعمرات، اور روز افزون دولت وتجارت کے لحاظ سے یورپ مین خاص درجہ رکھتا ہے، اسلئے انگریزی صحافت کو بھی تمام ترقی یافتہ ممالک مین ایک گونہ تفوق حاصل ہے، خصوصاً گذشتہ نصف صدی مین اس نے ایسی حیرت انگیز ترقی ظاہر کی ہے کہ اخبار نویسی کا فن ایک طرح کا طلسم اور دقیق فلسفہ بنگیا ہے، ہم اسکو کسیقدر

تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین اسی سے یورپ کے دوسرے ممالک کی اخبار نویسی کا بھی اندازہ ہوگا،

سترہوین صدی کے اخیر تک انگلستان مین صرف ہفتہ وار اخبارات شائع ہوتے تھے لانڈ نیوز نے جرأت کرکے ہفتہ مین دوبار پھر تین بار کیا، یہ اخبار اب روزانہ ہے اور انگلستان مین نہایت وقیع اور ذی اثر خیال کیا جاتا ہے،

سنہ ۱۶۹۵ع مین طرز جدید کا سب سے پہلا روزانہ اخبار "دی پوسٹ بواے" The Post boy نکلا، پھر سنہ ۱۷۰۳ع سے اخبار "دی ڈیلی کرنٹ" (The daily courant) شائع ہوا اسکو مشہور اخبار نویس مسٹر سموئیل بائی کلے ایڈٹ کرتے تھے، جنھون نے اپنے زور قلم واسلوب جدید سے صحافت انگریزی مین ایک نیا عالم پیدا کردیا، غرض رفتہ رفتہ انگلستان مین اخبار بینی اور اخبار نویسی کا اسقدر مذاق بڑھا کہ اٹھارہوین صدی کے اوائل مین تمام ملک کے ششماہی سہ ماہی، ماہانہ، پندرہ روزہ اور ہفتہ وار اخبارات کی مجموعی تعداد اشاعت تقریباً ۴۴ ہزار تک پہنچگئی، اور سنہ ۱۷۷۲ع مین روزانہ "مورننگ پوسٹ" نکلا تو پہلے ہی سال اسکی اشاعت ۵ ہزار سے متجاوز ہوگئی،

صحافت کی اس روز افزون ترقی کو دیکھکر مسٹر "والٹر" نے جنوری سنہ ۱۷۸۵ع مین ٹائمس کی بنیاد رکھی، یہ اخبار سنہ ۱۸۱۵ع تک صرف پانچ ہزار شائع ہوتا تھا لیکن سنہ ۱۸۵۴ع ابھی آنے نہ پایا تھا کہ اسکی اشاعت دس گونہ ترقی کرگئی اور اب تو لاکھون کی تعداد مین شائع ہوتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی اخبار "ٹائمس" کا مقابلہ نہین کرسکتا، اسکے نامہ نگار تمام دنیا مین پھیلے ہوئے ہین، اسکی راے حکومت برطانیہ کی راے خیال کیجاتی ہے اور اسکی ایک معمولی تحریر تمام دنیا مین ہلچل ڈالدیتی ہے، مادی حیثیت اور ظاہری شکل وصورت کے

لحاظ سے بھی وہ عدیم النظیر ہے، ۱۶ صفحہ سے ۴۲ صفحہ تک اسکا حجم ہے، عملہ (اسٹاف) اور متعلقین دفتر کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اسکے مطبع مین چالیس سے زیادہ صرف مصحح ہین، جسوقت دفتر کا کوئی افسر مصححین کو جمع کر کے غلطیون کی بازپرس کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ فلان مضمون کے سوالیہ جملہ مین علامت استفہام کیون نہین لگائی گئی ؟ تو اسکا چہرہ انگلستان کے ایک وزیر کی طرح پر رعب و شاندار نظر آتا ہے، اور مصحح کا چہرہ زرد پڑجاتا ہے کیونکہ ایک ادنیٰ غلطی اسکی معزولی کے لئے کافی ہے، ٹائمس کی صحت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ کسی دولتمند لارڈ نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص اخبار ٹائمس کے چھ نمبرون مین پچاس غلطیان نکالدیگا اسکو سنو پونڈ دیئے جائینگے، لوگون نے اس انعام کے لئے ایک ایک لفظ ڈھونڈھ مارا، لیکن چھ نمبرون مین مطبع کی صرف تین غلطیان نکل سکین، ہمارے ہندوستان کے اخبارات اور رسائل کی اگر صفحہ گردانی کی جاتی تو غالباً انگلینڈ کے دولتمند لارڈ کو اپنے افلاس اور دیوالیہ پن کا اعلان کرنا پڑتا۔

ٹائمس کے دفتر سے روزانہ اخبار کے علاوہ ہفتہ وار علمی، ادبی، تجارتی ضمیمے بھی شایع ہوتے ہین جو ملک مین خاص وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین،

ٹائمس کے بعد اہمیت کے لحاظ سے ڈیلی ٹیلیگراف کا درجہ ہے، یہ سنہ ۱۸۵۵ء سے شایع ہوتا ہے، اسکے ناظرین کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ اشتہارات کے لئے نہ صرف انگلینڈ بلکہ تمام یورپ مین مشہور ہے، اسی اخبار نے نیویارک ہیرلڈ کی شرکت مین ہنری اسٹانلی کو ایک مہم پر افریقہ روانہ کیا تھا، اور اس طرح دنیا کو سب سے پہلے ایک اخبار کی رہنمائی سے ملک کانگو، اور وسط افریقہ کے دریاؤن کا علم ہوا تھا،

سنہ ۱۸۴۶ء مین ڈیلی نیوز کی بنیاد رکھی گئی، یہ انگلستان مین چھوٹی چھوٹی قومون کا حامی خیال کیا جاتا ہے، اٹلی، یونان، بلغاریہ آرمینیہ اور آئرلنڈ کی حمایت مین اس نے بارہا پرزور مضامین شایع کئے ہین، سنہ ۱۸۷۶ء مین جبکہ ترکون کو یورپ سے نکالدینے کا جوش پھیلایا جارہا تھا، اس اخبار کی اشاعت دفعتہً ایک ہفتہ مین ۵۰ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ ہوگئی تھی، اسیطرح ڈیلی کرانکل حزب الاحرار کا لسان الحال خیال کیا جاتا ہے، اسٹینڈرڈ متوسط طبقہ مین مقبول ہے، اور اخبار مورننگ لیڈر غریب نواز ہے یعنی طبقہ عوام مین پسند کیا جاتا ہے حسن ترتیب اور بیرونی نامہ نگارون کی کثرت کے لحاظ سے ٹائمس اور ڈیلی ٹیلیگراف کے سوا لندن کا کوئی اخبار اسکا مقابلہ نہین کرسکتا، ان اخبارات کے علاوہ پال مال گزٹ، گلوب، ڈیلی اکسپرس اور چند اور اخبارات خاص طور سے مشہور ہین،

تاجرانہ مسابقت

تجارتی حیثیت سے انگلستان مین بھی باہم شدید رقابت و کشمکش موجود ہے لیکن ہندوستان کی طرح ذاتیات اور تو تو مین مین کی بجائے وہان اقتصاد و صحافت کے اصول پر مقابلہ کیا جاتا ہے، مثلاً ایک زمانہ مین ٹائمس کے سوا تمام اخبارات ایک پینی مین فروخت ہوتے تھے، لیکن ایک دور ایسا آیا کہ بہت سے اخبارات ہاف پینی یعنی دفعتہً نصف قیمت پر فروخت ہونے لگے، پھر لطف یہ کہ حجم حسن ترتیب اور اسلوب تحریر مین قدیم اخبارات سے کسی طرح کم نہ تھے، بہت ممکن تھا کہ ٹائمس اور دوسرے گران قیمت اخبارات اس مقابلہ مین بالکل فنا ہوجاتے، یا انکو بھی قیمت گھٹانا پڑتی مگر اُنھون نے کثرت اشاعت کی پروا نہ کی، اور صرف طبقہ خواص پر اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر اشتہارات کی آمدنی سے کسر پوری کرلی،

لیکن الفریڈ ہارمسورتھ (لارڈ نارتھ کلف) کی جدت پسند طبیعت اور اخبار نویسی کی غیر معمولی مہارت نے ان کم قیمت و ارزان اخبارات کو بھی شکست دیدی، اُنھون نے جب ڈیلی میل نکالنے کا ارادہ کیا تو انکو نظر آیا کہ ارزانی و خوبی تحریر کے لحاظ سے لندن کے اخبارات پر

فوقیت لیجانا سخت دشوار ہے، البتہ اگر لندن کے باہر اخبار بین حضرات کے پاس سب سے پہلے
کسی اخبار کے پہنچنے کا انتظام کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے، لندن کے تمام اخبارات عموماً
دو یا تین بجے رات تک چھپ کر تیار ہو جاتے تھے، اور صبح پانچ بجے کی ٹرین سے چل کر تین سو
کیلومیٹر کے فاصلہ پر عین نہاری (بریک فاسٹ) کے وقت ناظرین کے ہاتھون مین پہنچ
جاتے تھے، لیکن جو مقامات ۳۳۲ کیلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلہ پر تھے وہان دوپہر
یا چاشت سے پہلے پہنچنا ممکن نہ تھا، اس بنا پر ڈیلی میل کے مالک نے اپنے اخبار کو
قبل از وقت پہنچانے کے لئے اسپیشل ٹرینون کا انتظام کیا جو ڈیلی میل کو دور دور سے
مقامات مین لندن کے تمام اخبارات سے پہلے پہنچا دیتی ہین بلکہ بعض جگہ وہان کے
مقامی اخبارات سے بھی پہلے اخبار بیچنے والے لڑکے "ڈیلی میل" کی صدا لگاتے پھرتے ہین،

شمالی انگلستان مین منچسٹر ایک نہایت پُررونق شہر ہے، یہان سات لاکھ پچاس ہزار
نفوس کی آبادی ہے اور تجارتی مرکز ہونے کے باعث اخبارات کی بڑی مانگ ہے
اسلئے ڈیلی میل کے مالک نے یہان اپنے کارخانہ کی ایک مستقل شاخ (برنچ) قائم کی،
چنانچہ جسوقت لندن مین اخبار چھپ کر بازار مین آتا ہے اسیوقت منچسٹر مین بھی شائع ہو جاتا ہے،
لیکن سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان دونون مین لفظاً و معناً کوئی فرق نہین ہوتا اور ناظرین کیلئے
لندن اور منچسٹر کے ڈیلی میل مین کوئی وجہ امتیاز نہین، کیونکہ تمام مضامین کی نقلین اور خبرین
روزانہ تار اور ڈاک کے ذریعہ سے منچسٹر کے دفتر مین پہنچتی رہتی ہین، اسی قسم کی ایک شاخ
پیرس مین بھی قائم کی گئی ہے، جہان زبان و ملک کی اجنبیت و بیگانگی کے باوجود "ڈیلی میل"
بیس ہزار سے زیادہ چھپ کر شائع ہوتا ہے،

اس عجیب و غریب انتظام کے علاوہ ڈیلی میل کو معنوی حیثیت اور تحریر و ادارت کے

لحاظ سے بھی دلچسپ بنانیکی کوشش کی گئی، مثلاً اُسکی زبان تمام اخبارات سے سہل، سادہ
اور عام فہم رکھی گئی، طول طویل مقالات افتتاحیہ (لیڈنگ آرٹیکل) کے بجائے صرف مختصر
شذرات (بریف نوٹس) پر کفایت کی گئی، کیونکہ جمہور و عوام کو دقیق مسائل و دور از کار مباحث سے
دلآویزی نہین ہوتی بلکہ وہ صرف ہر قسم کے معلومات کا ایک ارزان مجموعہ چاہتے ہین چنانچہ
مسٹر الفریڈ نے اسی عام مذاق کو ملحوظ رکھکر اپنے اخبار کو ایک کشکول بنا دیا ہے، جسمین مباحث
حاضرہ کے علاوہ تمام دنیا کے تازہ حوادث، واقعات، اہم مقدمات کے فیصلے، گھوڑ دوڑ،
کھیل کود کے نتائج اور ہر قسم کی خبر دن کو جلد از جلد ناظرین اخبار تک پہنچانے کا اہتمام کیا
جاتا ہے، پھر عنوانات ایسے جدید و دلچسپ اختراع کئے جاتے ہین کہ خوامخواہ انکی طرف
لوگون کی نظرین اُٹھ جاتی ہین، اور اسلوب بیان ایسا رکھا جاتا ہے کہ پڑھنے والون کے
دماغ پر مطلقاً بار نہین پڑتا، چنانچہ ایک معمولی قلی سے لیکر ایک فلسفی تک اُسکو یکسان دلچسپی کے
ساتھ پڑھتا ہے،

غرض لارڈ نارتھ کلف کی حکمت عملی و جدت طرازی نے میدان صحافت مین سبکو شکست
دیدی، اور ڈیلی میل کثرت اشاعت اور حسن ادارت کے لحاظ سے فن اخبار نویسی کا حیرت انگیز نمونہ
بنگیا، اسکا پہلا نمبر ڈہائی لاکھ چھپا تھا، لیکن دفعتہً چند مہینون مین اسکی اشاعت ۴ لاکھ ۵۰ ہزار سے
سات لاکھ تک پہنچگئی، اور تیسرے سال مین قدم رکھتے رکھتے دس (۱۰) لاکھ تک ترقی کر گئی، اور
ابتو ۱۴ لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی ہے، حالانکہ اس عرصہ مین اُسکے قدیم معاصرین مثلاً ٹائمس
۵۵ ہزار، ڈیلی اکسپرس ۷ لاکھ، ڈیلی ٹیلیگراف ۳ لاکھ ۵۰ ہزار، ڈیلی نیوز ۳ لاکھ، مورننگ لیڈر
۳ لاکھ ۵۰ ہزار، اسٹینڈرڈ ۱ لاکھ ۲۰ ہزار، اور ڈیلی مرر ۹ لاکھ سے آگے نہ بڑھ سکے،

ڈیلی میل کے دفتر سے شام کے وقت "ایوننگ نیوز" کے نام سے ایک دوسرا روزانہ

اخبار بھی شایع ہوتا ہے، اسکی اشاعت بھی ڈہائی لاکھ سے زیادہ ہے،

اندہون کا اخبار

لیکن سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ ڈیلی میل کے مالک نے محرومین چشم و بصارت کے لئے بھی اخبار بینی و دلبستگی کا سامان کر دیا، چنانچہ ۱۶ صفحہ کا ایک ہفتہ وار ایڈیشن صرف اندھون کے لئے مخصوص ہے، اسکے حروف اُبھرے ہوے ہوتے ہین، اور انگلستان کی نابینا مخلوق انگلیون کے سہارے سے انکو نہایت آسانی کے ساتھ پڑھ لیتی ہے، درحقیقت اس اخبار کی اشاعت کا محرک صرف جذبۂ حمیت انسانی ہے ورنہ مالی حیثیت سے اُس مین کچھ فائدہ نہین، اس سے ہندوستان کے رجال صحافت کو سبق لینا چاہیئے کہ دنیا کے تمام کاروبار صرف جلبِ زر کے اصول پر نہین چلتے،

دوسری طرف یہ دیکھیئے کہ ان ممالک مین محرومین بصارت بھی اخبار بینی سے محروم نہین رہنا چاہتے، اور ہندوستان مین آنکھہ والے بھی اس سے محروم رہنا پسند کرتے ہین، فاعتبروا یا اولی الابصار!

باقی

ادبیات

کلام شبلی

غیر مطبوع

از بیاض مولوی معین الدین ندوی

مُسلم لیگ

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی ہاتھ سے قوم
اک نیا روپ بھر اس نے باندازِ دگر

منظرِ عام پہ لوگون سے کیا اُس نے خطاب
کہ نہین سلف گورنمنٹ سے اب ہمکو مفر

اک ذراسی مگر اس لفظ مین تخصیص بھی ہے
جس سے ہین متفق اللفظ سب اربابِ نظر

یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ "ہو سوٹ ابل"
یا کہ موزون و مناسب ہو بالفاظِ دگر

یہ مسلم کہ ہر اک ملک کی حالت ہے جدا
جسکا آئینِ حکومت پہ بھی پڑتا ہے اثر

جو حکومت کہ کناڈا کے لئے ہی موزون
ہے وہی مملکتِ ہند مین سرمایۂ شر

ملک مین ہم بھی ہین، ہندو بھی ہین، عیسائی بھی
جو کہ ہین نخلِ حکومت کے لئے برگ و ثمر

واقعی قید "مناسب" ہی بجا اور موزون
آپ اس قید کو کس کام مین لائینگے مگر؟

پہلے بھی آپ تو اس حصن مین لیتے تھے پناہ
پہلے بھی آپ اسی دشت مین تھے راہ سپر

جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگی
آپ اس "قید مناسب" کو بنائینگے سپر

اب بھی ہین جادۂ مقصد کے وہی نقش قدم
اب بھی اوراق سیاست کا وہی ہے سطر

یہ وہی لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وہی لفظ ہے سرمایۂ صد گونہ ضرر

آپ ہر بار جو بڑھ بڑھ کے پلٹ آتے ہین
ہے اسی شیوۂ تعلیم غلامی کا اثر

آپ کے فلسفۂ نو کے یہ الفاظ جدید — گو بظاہر ہین فریبندۂ ارباب بصر
ہی حقیقت مین اُسی متن غلامی کی یہ شرح — ہی حقیقت مین اُسی نخل سیاست کا ثمر
چند جملے جو زبانون پہ چلے آتے ہین — آپ دہراتے ہین ہر بار باندازِ دگر
ایک ان مین سے ہی یہ بھی کہ "ابھی وقت نہین" — ہے اسی لفظ کی تشریح بالفاظ دگر
آج یہ لفظ مناسب "جو نیا وضع ہوا — آپ اس لفظ کو ہر بار بنائینگے سپر
آپکے دایرۂ بحث کا مرکز تھا یہی — آپکی گردشِ پیہم کا یہی تھا محور
آپ اس دام سے برسون بھی نہ چھوٹینگے کبھی — آپ اس کوچۂ پُر خم سے نہ ہونگے سر بر
آپ اس بھول بھلیان سے نہ نکلینگے کبھی — دل سے جائیگا نہ تعلیم غلامی کا اثر
جب کہین بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا — ہر طرف پھر کے اُسی نقطہ پہ ٹھریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اُس پر تبرید — خوف یہ ہی کہ پہنچ جاے نہ فالج کا اثر
آپ کچھ گرم دوائین جو گوارا فرمائین — ہم دعا گو یہ سمجھتے ہین کہ ہوگا بہتر

کلام حسرت

اہل ایمان رکھتے ہین کامل یہ فتوای جنون — شان لاخوف علیہم شیوۂ لا یحزنون
کامیاب و کامران ہین شاد کام و شادمان — گرچہ دیوانے ترے ظاہر مین ہین خوار و زبون
روشنی بخشِ دل و جان ہو نہ کیون اُسکا خیال — جسکے جلوے کی درخشانی ہی انوار العیون
کچھ نہین کھلتا مجھے لیجائیگا آخر کہان — کسکی جانب ہی دل دیوانہ یارب رہنمون

کی بہت کچھ ہرزہ گردی اب یہ حسرت دل مین ہے
چھوڑ دون سب آسرے اک اُنکے در کا ہو رہون

مطبوعات جدیدہ

فتاوی، قیام الملتہ والدین حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی اُن بزرگون مین ہین جنکی ذات سے فرنگی محل کے خصوصیات علمی و دینی قائم اور زندہ ہین، مولانا ہر سال نوین کوئی نہ کوئی علمی اور مذہبی یادگار ملک کے سامنے ضرور پیش کرتے ہین، امسال کا تحفہ فتاوی علماے فرنگی محل ہے، متاخرین علماے فرنگی محل کے مختلف فتاوی اور جواباتِ علمی جو مطبوع یا قلمی محفوظ تھے، جامع نے انکو ابواب حدیث و فقہ پر ترتیب دیکر شایع کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے، اور بالفعل اس سلسلہ کا پہلا نمبر ۱۴۴ صفحون مین شایع کیا ہے، یہ نمبر کتاب العقاید، باب الالوہیت، باب النبوۃ، باب الصحبتہ والامامہ، کتاب العلم، کتاب الکراہتہ والاستحسان، باب التقلید، باب در مسائل متفرقہ پر مشتمل ہے،

فتاوی کی زبان زیادہ تر اُردو ہے، اور کہین کہین فارسی ہے، اکثر سوالات ایسے ہین جو ہندوستان کی نزاعات دینی کے فیصلے ہین، مختلف مباحث مین ان تمام مسائل کے جوابات مذکور ہین جو ہندوستان کے مذہبی فرقون مین مختلف فیہ ہین، سنیت و شیعیت، اجتہاد و تقلید اور دیگر مباحث پر بھی عالمانہ تبصرہ ہے، کہین کہین مفتیون کے اختلاف کی صورت مین جامع نے محاکمہ بھی کیا ہے،

ہندوستان کے علماے احناف مین فتاوی لکہنے کا جو طریقہ جاری ہی وہ بہت کچھ قابلِ اصلاح ہے، افتا کے فرائض درحقیقت تمام مناصب دینی مین سب سے زیادہ اہم اور پُر خطر ہین، اب زیادہ تر علما کا مذاق یہ ہی کہ فتوون کے جواب مین کتاب و سنت یا ائمہ کے تصریحات کی طرف اصلاً رجوع کرنے کے بجاے مسئلہ کے فیصلہ کے لئے یہ کافی سمجھتے ہین کہ کسی مطبوع کتاب کی چند

سطرین عربی خط مین نقل کردی جائین، اگر مولانا ممدوح اس سلسلہ فتاوی کے انتخاب اور محاکمہ مین اس اصول کی تقلید مناسب سمجھین تو علمای عصر کیلیے وہ اس فن مین تجدید و اصلاح کی ایک نئی بنیاد قائم کرینگے قیمت عہ

ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد، عربی مسلمانون کی مذہبی و قومی زبان ہے، اور انکا تمامتر علمی اور مذہبی سرمایہ اسی سربمہر خزانہ مین محفوظ ہے، لیکن یہ کسدرجہ افسوسناک امر ہی کہ ہندوستان مین قدیم عربی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ آخر عہد مین نواب صدیق حسن خان اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے بعد سے تقریباً مفقود ہے، اور اب شاید ہی کوئی عربی کی نادر کتاب چھپکر شایع ہوتی ہو، حالانکہ یہان مسلمانون کی تعداد دوسرے ممالک کے مسلمانون سے نسبتہً زیادہ ہے، اور علم و دولت مین بھی وہ اُنسے کم نہین،

اس آخر عہد مین مولانا شمس الحق بہاری کی ذات غنیمت تھی جنکے مساعی جمیلہ سے علم حدیث کا ایک معتدبہ ذخیرہ منظر عام پر آگیا، اور اب مطبع انوار احمدی سے کبھی کبھی کوئی کتاب چھپکر نکل جاتی ہے اسی سلسلہ مین ارشاد النقاد کے ناشر مولوی خالد صاحب انصاری بھوپالی بھی قابل ستائش ہین جنھون نے علامہ محمد بن اسمعیل الامیر الیمنی کی ایک نادر تصنیف کو زندہ کیا ہے، ضرورت تھی کہ وہ اس کتاب کے ساتھ دیباچہ بھی لکھتے جسمین تصنیف اور مصنف کو روشناس کرتے اور رسالہ کی اصل غایت بتاتے،

ارشاد النقاد کا موضوع بحث تقلید و اجتہاد ہے، جن لوگون کا اعتقاد ہے کہ باب اجتہاد ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے، اُنکو ایک دفعہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، قیمت ۸ر مولوی محمد خالد صاحب انصاری مسجد شکور خان بھوپال سے ملیگی،

قومی مثنوی، "مولانا حالی کی مسدس اور مولانا شبلی کی" مثنوی صبح اُمید" نے ملک مین قومی نظمون کا ایک عام مذاق پیدا کردیا ہے، مولوی شیخ احمد علی صاحب رئیس بہار نے اس مبسوط نظم مین ایک ایک کرکے مسلمانون کے تمام مذہبی و قومی احوال اور ضرورتون کا نقشہ کھینچا ہے اور اصلاح کی مناسب تدبیرین بتائی ہین،

قومی مثنوی مین گو شاعری کے لحاظ سے کوئی خاص دلچسپی نہین، تاہم زبان صاف اور شستہ ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ قومی زندگی کے تمام شعبون مین مسلمانون کی رہبری کیجاے، مصنف سے محلہ کاغذی بہار سے مل سکتی ہے،

الفارق - عربی زبان کے بعض اصطلاحات علمیہ جو مختلف فنون مختلف معنون مین مستعمل ہین، اور بظاہر وہ باہم مرادف و ہم معنی نظر آتے ہین، لیکن درحقیقت اصطلاحی حیثیت سے ان مین فرق عظیم ہوتا ہے، عربی زبان مین ان فروق پر متعدد کتابین لکھی گئی ہین، لیکن ابتک اردو زبان مین مخصوص فروق طب پر کوئی مستقل کتاب نہ تھی، حکیم مولوی حبیب الرحمن صاحب سابق شیر طبی نواب صاحب مرحوم ڈھاکہ نے الفارق لکھکر یہ کمی پوری کی ہے، شائقین علم طب کے لئے بغایت مفید ہے، اور مصنف کی جانکاہی قابل ستائش و مبارکباد ہے، حکیم صاحب سے چھوٹا کٹرہ ڈھاکہ سے طلب کیجیئے،

جہنم کے خطوط، جارج میکڈانلڈ صاحب نے انگریزی زبان مین جہنم کے خطوط کا ایک دلچسپ سلسلہ لکھا ہے، جسمین نہایت موثر طریقہ پر حیات بعد الممات کا نقشہ کھینچا ہے، اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بنی نوع انسان کو محاسن اخلاق کی تعلیم و تلقین کی ہے، یہ خطوط تعداد مین چالیس سے زیادہ ہین، منشی شرف الدین احمد خان صاحب نے چھ خطوط کا ترجمہ شایع کیا ہے، اس قسم کی اخلاقی کتابون کا اردو مین منتقل کرنا بھی فایدہ سے خالی نہین خصوصاً ان لوگون کے لئے جو یورپ کے انکار معاد کی دلیل کو اپنے سو اعتقاد کا سہارا جانتے ہین ترجمہ نہایت سلیس و عام فہم ہے اور اصلی خطوط کے دلکش اور موثر پیرایہ بیان کو نبھانیکی کوشش کیگئی ہے

یہ رسالے مترجم سے کہاری کنوان رامپور کے پتہ سے ملینگے،

قرۃ العین، یہ بابی فرقہ کی ایک پرجوش اور الوالعزم خاتون کا نام ہے اُس نے اپنے حسن تقریر سے تمام سلطنت ایران کو تہ وبالا کردیا تھا، مولانا عبد الحلیم شرر نے اس نام سے اسکی ایک دلچسپ اور سبق آموز سوانح عمری ترتیب دی ہے، دفتر دلگداز کڑہ بیزن بیگ لکھنؤ سے مل سکتی ہے،

سخن سنج، حکیم محمد سراج الحق صاحب نے اس نام سے ایک سہ ماہی گلدستہ اشعار جاری کیا ہے، نظم کا حصہ صرف طرحی غزلون کے لئے مخصوص ہے، اہل شہر سے سالانہ چندہ ۴ر اور بیرونجات سے ۶ر، پتہ یہ ہے، دفتر دلگداز کڑہ بیزن بیگ خان لکھنؤ،

قادرنامہ، قاضی عبد الرحمٰن صاحب حیرت سکنڈ مولوی مسلم جارج اسکول اعظم گڈھ نے اس نام سے ضروری انگریزی لغات کو بچون کے لئے خالق باری کی طرز پر اردو مین منظوم کیا ہے، نظم نہایت سلیس اور روان، اور تکلف سے پاک ہے، انگریزی الفاظ کو سطر کے نیچے صحیح پڑھنے کے لئے رومن خط مین لکھدیا ہے، ہم نے بچون کے لئے اسکو نہایت پسند کیا امید ہے کہ ناظرین بھی مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائینگے، چھوٹی تقطیع پر ٹائپ کے حروف مین سفید کاغذ پر چھپی ہے، قیمت ۲ر،

ترجمان پارسی، قاضی صاحب موصوف نے انگریزی اسکولون کے ابتدائی درجون کو اردو سے فارسی اور فارسی سے اردو ترجمہ سکہانے کے لئے یہ کتاب تالیف کی ہے تعلیمی نظر سے مفید ہے، ترکیب توصیفی واضافی سے لیکر فقرہ اور عبارت تک بتدریج اسباق بڑہائے ہین اور ہر سبق کے بعد مشقی سوالات لکھے ہین اور آخر مین ضروری فارسی مصادر دیئے ہین، طبع وکاغذ متوسط قیمت ۵ر،

مجلد دوم | ماہ شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۱۷ء | عدد سوم

مضامین